ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۹ / دسمبر ۱۹۹۵ء

☆ حکومت اسلامی کا قیام مسلمانوں پر واجب ہے (جناب واعظ زادہ کی تقریر)

☆ پاکستان کا دشمن نمبر ایک کون : بھارت یا امریکہ'' (بحث و نظر)

☆ ایم کیو ایم اپنا ہی بویا کاٹ رہی ہے۔ (نقطۂ نظر)

## حدیثِ امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

# جو اللہ کرے

اگرچہ صورتحال کی بے یقینی ہماری زندگی کا معمول بن چکی ہے تاہم جتنا کنفیوژن' جتنا ابہام' جتنی بے یقینی' جتنی بے چینی اس وقت دامن گیر ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ویسے تو بے یقینی کے کئی ادوار ہماری پچاس سالہ زندگی میں آئے مگر وہ جزوی ہوا کرتے اور اکثر و بیشتر ان کا تعلق حکومت کی تبدیلی سے ہوتا۔ عام آدمی کی زندگی اتنی اجیرن کبھی نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔ بدامنی' قتل و غارت' دہشت گردی' لوٹ مار' چھینا جھپٹی' مہنگائی' بے روزگاری' غرضیکہ ایسا کوئی پہلو بھی تو نہیں جس نے عام آدمی کی زندگی کو دکھی نہ بنا دیا ہو۔ اس ناقابل برداشت صورتحال کو سیاسی محاذ آرائی نے مزید مایوس کن کر دیا ہے۔ بے چینی اور بے یقینی کا عجیب گھٹا ٹوپ ہے کہ کہیں سے امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ ہر کہ و مہ' اپنے پرائے' عام و خاص کی زبان پر یہی سوال ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ قیاس آرائی' پیشین گوئی' افواہ سازی نے لوگوں کی مزید مت مار دی ہے۔ حکومت کی تبدیلی کے دعووں اور تردید کی فضا میں فوجی افسران کی گرفتاری اور ان کے کورٹ مارشل کی خبر کے بعد فوج کے سربراہ جنرل عبدالوحید کی مدت ملازمت میں حکومت کی جانب سے توسیع کی پیشکش اور ان کے انکار کی خبر منظر عام پر آئی یا لائی گئی تو ایک واقف حال سیاست دان نے حکومت کی تبدیلی سے پہلے فوج کے نئے سربراہ کی تقرری کو مسئلہ قرار دے دیا۔ یہ خبر خواص کے حلقوں میں ابھی موضوع گفتگو تھی کہ معین قریشی' جاوید شاہد برکی اور ڈاکٹر محبوب الحق ایک وقت پاکستان کے سیاسی افق پر نمودار ہو گئے۔ گو کہ انہوں نے یہ بیان داغ دیا کہ ان کا اجتماع حسن اتفاق ہے مگر صدر مملکت' وزیر اعظم' فوج کے سربراہ اور دیگر اہم شخصیات سے ان کی ملاقاتوں اور بیانات نے عام آدمی کی ذہنی الجھن میں اضافہ کر دیا ہے۔ ایسی صورتحال سے بدخواہ قوتیں ناجائز فائدہ اٹھا کر مزید بے سکونی کی کیفیت پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں۔ لہٰذا بے یقینی کا عالم یہ ہے کہ کوئی بھی محفل ہو' عوام یا خواص کی' پرائیویٹ یا پبلک' بحث و تمحیص کے بعد اسی جملے پہ اختتام کو پہنچتی ہے کہ جو اللہ کرے۔

اللہ تو وہی کرتا ہے جس کا انسان مستحق ہو۔ اچھائی کرو بھلائی پا لو' برائی کرو تباہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کیا کم کمال مہربانی فرمائی تھی کہ ہمیں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت عطا کر دی لیکن ہم اپنے کرتوتوں کی پاداش میں اسے دولخت کرا بیٹھے۔ ہم نے پھر بھی کوئی سبق نہ سیکھا۔ ایک دوسرے پر تعصبانہ انداز میں الزام تراشی کرتے ہوئے حقائق کے دیانتدارانہ تجزیئے سے گریز کیا اور یوں ہمارا معاشرہ بتدریج مکمل تباہی کے امکانات کی حدود کو چھونے لگا ہے۔ قوم دو گروہوں میں بٹ چکی ہے اور ان دونوں کی آنکھوں میں تعصب کی چربی نے راہ راست کی پہچان ختم کر دی ہے۔ ایسے میں بچ نکلنے کی صرف ایک ہی ترکیب ہے کہ تیسرا غیر جانبدار اعتدال پسند گروہ تشکیل پائے اور بلا تاخیر اپنا سیاسی کردار ادا کرنے کے لئے میدان عمل میں اتر آئے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ گروہ جو ہمارے نزدیک امید کی آخری کرن ہو گی دینی جماعتوں کے اکابرین کے زیر قیادت معرض وجود میں آئے۔ جب تمام دینی جماعتوں کا منشور بالکل ایک جیسا ہے' جب کہ ان کے عمل و ہدایت کا ماخذ ایک ہے تو پھر صرف ذاتی انا کا حل تلاش کر لینے سے بات بن جائے گی۔ ایسے ہی مسئلے کے حل کی ایک مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب عیسائیوں کا پوپ فوت ہو جاتا ہے تو پوپ سے نچلی قیادت فوراً ایک ایسے رہائشی مکان میں مقیم ہو جاتی ہے جہاں ہر سہولت طویل مدت کے لئے مہیا ہو اور وہ لوگ اس وقت تک باہر نہیں آتے جب تک وہ متفقہ طور پر نیا پوپ منتخب نہ کر لیں۔ جونہی وہ لوگ گھنٹوں' دنوں یا ہفتوں میں متفقہ فیصلہ کر پائیں وہ اپنی رہائش گاہ کی انگیٹھی میں آگ جلا دیتے ہیں اور برآمد ہونے والا دھواں عوام کے لئے اطلاع کا کام کرتا ہے کہ نیا پوپ منتخب ہو چکا۔ کیا ہمارے علماء کرام پاکستان کے لئے ہی سہی اسلامی پوپ یعنی اپنا متفقہ لیڈر نہیں چن سکتے؟ کیا عجب کہ ایسا ہو جانے سے ہم تباہی سے بچ جائیں۔ واللہ اعلم۔ OO

قیمت : ۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

التغابن

اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے

(کائنات کی ہر چیز زبان حال سے اپنے خالق کی عظمت شان اور صفات کمال کا اعتراف و اعلان تو کر ہی رہی ہے' زبان قال سے بھی ہر دم اس بزرگ و برتر کی تسبیح میں مشغول ہے' یہ اور بات کہ ہماری عقل کے محدود پیمانے اس تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہیں)۔

اسی کے لئے ہے کل بادشاہی اور اسی کے لئے ہے تمام تعریف' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O

(خالق کائنات ہونے کے ناطے اسے نہ صرف یہ کہ پوری کائنات کی بادشاہت کا استحقاق حاصل ہے بلکہ فی الواقع اسی کے تخت حکومت کی بساط پوری کائنات پر بچھی ہوئی ہے اور تمام شکر اور کل تعریف تو ہے اسی کو سزاوار۔ اس لئے کہ وہی منبع خیر بھی ہے اور وہی سرچشمہ حسن بھی اور کل اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے)۔

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا' پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن

(مقام غور ہے کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا وہی ایک ہے لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ تو اس کی بندگی کا اقرار کرتے ہیں اور کچھ ایسے شقی بھی ہیں جو اپنے خالق کا انکار کرتے ہیں اور اس کی بندگی کے حصار میں آنے سے گریزاں ہیں!)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو O

(کہ اللہ کا یہ نظام اندھیر نگری اور چوپٹ راج نہیں ہے کہ اس ایمان یا انکار کو کوئی نتیجہ نہ نکلنا ہو' انسانوں کی ایک ایک حرکت اللہ کی نگاہ میں ہے' چنانچہ نہ کسی مومن کا ایمان رائیگاں جانے والا ہے اور نہ کوئی کافر اپنے کفر کی پاداش سے بچ سکے گا)

اس نے زمین اور آسمان کو برحق پیدا کیا ہے' اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی اور اسی کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے O

(اس رب ذوالجلال نے زمین و آسمان کو کسی وقت گزاری کے مشغلے کے تحت تخلیق نہیں کیا' یہ ایک بامقصد تخلیق ہے' تو کیا انسان جو اس پورے سلسلہ تخلیق کا نقطہ عروج ہے' بے مقصد اور بیکار پیدا کر دیا گیا ہے! نہیں' اسے تو اپنے رب کے حضور لوٹنا ہو گا اور اس دنیا میں گزارے گئے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہو گا)۔

(سورۃ التغابن' آیات ایک تا تین)

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم


تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
# ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۴ شمارہ ۵۱
۱۹ / دسمبر ۹۵ء

**18**

مدیر : حافظ عاکف سعید
معاون مدیر : نثار احمد ملک

○

یکے از مطبوعات
**تحریک خلافت پاکستان**
۴ ۔ اے، مزنگ روڈ، لاہور

○

مقام اشاعت
۳۶ ۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون : ۳ ۔ ۵۸۶۹۵۰۱

○

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

○

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی، اومان، مصر ۱۳/ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر


## ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

۲۱ / نومبر کے "ندائے خلافت" کے انہی صفحات میں ہم نے ایک شیعہ عالم دین محمد واعظ زادہ الخراسانی جو جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر ایرانی وفد کے قائد کے طور پر پاکستان تشریف لائے تھے، کی امیر تنظیم اسلامی سے ملاقات اور پھر قرآن کالج میں طلبہ کے اجتماع سے ان کے خطاب کا ذکر کیا تھا۔ محترم واعظ زادہ صاحب کے خطاب کا حوالہ بطور خاص اس لئے دیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے خطاب میں شیعہ سُنی مفاہمت کے ضمن میں امیر تنظیم اسلامی کے اس اصولی موقف کی منجملہ حمایت کی تھی جس کا اظہار وہ گزشتہ کئی برسوں سے نہ صرف اپنی تقاریر اور خطابات میں نہایت واضح الفاظ میں کر رہے ہیں بلکہ بعض اہم شیعہ علماء سے بالمشافہ ملاقات میں بھی اس پر کھلی گفتگو کی ہے۔ یعنی یہ کہ نفاذ اسلام کی واحد عملی صورت یہ ہے کہ ہر اسلامی ملک میں، اس ملک میں بسنے والوں کی اکثریت کے مسلک کو ملکی قانون کا درجہ دیا جانا چاہئے، تاہم دیگر مسالک کے متبعین کو پرسنل لاء میں کامل آزادی ہونی چاہئے کہ انہیں اپنے اپنے مسلک کے مطابق نکاح و طلاق وغیرہ کے معاملات طے کرنے کا قانونی حق حاصل ہو۔ اسی اصول کے مطابق ایران میں مسلک امامیہ کو ملکی قانون کا درجہ دیا گیا ہے کہ وہاں اہل تشیع غالب اکثریت میں ہیں، اور دیگر مسالک کے متعلقین کا پرسنل لاء کے معاملے میں قانونی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے اہل تشیع کو بھی اسی اصول کے مطابق پاکستان میں اسی پوزیشن پر قناعت کرنی چاہئے جو ایران میں اہل سنت کو حاصل ہے۔ وہاں اہل سنت اقلیت میں ہیں اور یہاں اہل تشیع اقلیتی فرقہ شمار ہوتے ہیں۔ محترم واعظ زادہ خراسانی نے جو حکومت ایران کی سرپرستی میں قائم ہونے والے ایک اہم دینی ادارے کے سربراہ بھی ہیں، اتحاد امت کے ضمن میں جن خیالات کا اظہار اپنے خطاب میں کیا ہے، وہ ہمارے نقطہ نگاہ سے بہت وقیع ہیں۔ ہم اس حوالے سے پاکستان کے علماء اہل تشیع کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ وہ محترم واعظ زادہ کے خطاب کی روشنی میں اپنے طرز عمل اور حکمت عملی پر نظر ثانی کریں۔ حسب وعدہ جناب واعظ زادہ کی تقریر کا لفظ بلفظ ترجمہ زیر نظر شمارے میں شائع کر دیا گیا ہے۔ اب بہت جلد اسے الگ کتابچے کی صورت میں مکمل فارسی متن کے ساتھ شائع کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اس خطاب کا اردو ترجمہ جامعہ پنجاب کے شعبہ فارسی سے وابستہ قابل احترام استاذ جناب شیخ نوازش علی کی کاوش کا مرہون منت ہے جن کے بھرپور تعاون پر ہم تہہ دل سے ان کے ممنون احسان ہیں۔ محترم علامہ شبیر بخاری کا شکریہ ادا کرنا بھی ہم پر واجب ہے جن کی معاونت اس ضمن میں ہمیں مسلسل حاصل رہی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

☆ ☆ ☆

کراچی کے سلگتے ہوئے مسئلے پر مولانا وصی مظہر ندوی صاحب کی ایک مفصل تحریر بھی زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔ مولانا نے حالات کا باریک بینی کے ساتھ تجزیہ ہی نہیں کیا، مسئلے کے حل کی نشاندہی بھی کی ہے۔ گو ان کے پیش کردہ خیالات سے جزوی یا کلی اختلاف کا حق ہر کسی کو حاصل ہے تاہم ان کی اس تحریر کو کسی عام تجزیہ نگار کی تحریر پر قیاس کرنا قطعی غلط ہو گا، اس لئے کہ مولانا نہ صرف یہ کہ خود بھی مہاجرین میں سے ہیں بلکہ اس شہر (حیدر آباد) کے باسی ہیں جس کی تقدیر شہر کراچی کے ساتھ معلق شمار کی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ وہ ایک سکہ بند عالم دین ہی نہیں بحر سیاست کے شناور بھی ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ مسئلہ کراچی کا تجزیہ کرنے اور مہاجرین کا مقدمہ عوام کی عدالت میں پیش کرنے کے بجا طور پر اہل ہیں۔

گزشتہ شمارے میں کئے گئے اعلان کے مطابق پاک بھارت تعلقات کے ضمن میں کراچی کے ایک صحافی جناب جاوید انور صاحب کا وہ اہم مضمون بھی شامل اشاعت ہے جس میں پاک بھارت کشیدگی کو کم کرنے اور مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف پیش قدمی کے ضمن میں ان خیالات کا اظہار نہایت واضح الفاظ میں کیا گیا ہے جو اگرچہ ہماری عام سوچ سے مختلف ہیں اور کشیدگی کے ماحول میں تشکیل پانے والے مخصوص ذہن کے لئے کسی قدر ناقابل فہم بھی ہیں لیکن فی الواقع حقیقت پسندی اور بیدار مغزی کا مظہر ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جناب جاوید انور نے اپنے اس مضمون میں ان تمام باتوں کی پرزور اور مدلل تائید کی ہے جن کا اظہار پاک بھارت تعلقات کے ضمن میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد گاہے بگاہے اپنے خطابات میں کرتے رہے ہیں اور جن سے ان کے رفقاء و احباب ہی نہیں، قارئین "میثاق" اور "ندائے خلافت" بھی بخوبی واقف ہیں۔ ○○

امام خمینی کا یہ مستقل موقف تھا کہ :

# حکومت اسلامی کے قیام کی جدوجہد کرنا مسلمانوں پر واجب ہے

## صدرِ اسلام میں رونما ہونے والے سیاسی اختلافات کو بھلا کر ہمیں اتحاد کی جانب پیش قدمی کرنا چاہئے!

## مسالک کا باہمی اختلاف محض چند مسائل میں ہے جن کی نوعیت ذیلی اور فروعی ہے

## شیعہ سنی اختلافات کو علمی انداز میں سلجھانے اور باہم رواداری کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے!

## مسلک کا اختلاف باعث نزاع نہیں ہونا چاہئے' یہ اختلاف تو "رحمت" ہے

## ایران میں اہل سنت اور اہل تشیع کے تمام مکاتب فکر کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں ہرگز کوئی تحریف نہیں ہوئی

## ہمارے نزدیک "سنت نبوی" اسلام کا دوسرا رکن رکین ہے

## ایران کا سرکاری مذہب اگرچہ مذہب امامیہ ہے لیکن دیگر تمام مذاہب و مسالک کو پرسنل لاء میں مکمل آزادی دی گئی ہے

## مسلم ممالک میں قائم موجودہ حکومتیں اپنے اپنے ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کی شدید مخالف ہیں

## ہر اسلامی ملک میں' اس ملک میں رائج مذہب و مسلک کے مطابق اسلامی حکومت تشکیل دی جانی چاہئے

### جناب محمد واعظ زادہ الخراسانی کی تقریر (بمقام قرآن کالج لاہور) کا مکمل متن

الصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء و المرسلین وخیر الخلائق اجمعین سیدنا ونبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین قال اللہ تعالی : ان ھذہ امتکم امہ واحدہ وانا ربکم فاعبدون۔

اپنی تقریر سے پہلے میں لازم سمجھتا ہوں کہ اس ادارہ کے منتظمین اور جناب مولانا اسرار احمد صاحب کا شکریہ ادا کروں کہ جنہوں نے ہمیں اس بات کی اجازت دی اور ہمارے لئے اس امر کا اہتمام کیا کہ اس عظیم الشان ادارہ اور خاص طور سے قرآن اکیڈمی کا دورہ کریں اور چند باتیں آپ اساتذہ و تلامذہ کی خدمت میں عرض کریں۔

برادران محترم! امت اسلام امت واحدہ ہے' وان ھذہ امتکم امہ واحدہ۔ البتہ عہد رسالت ﷺ کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور مختلف فرقے وجود میں آ گئے' جن میں مختلف مسالک کلامی اور مسالک فقہی شامل ہیں اور آج کے دور میں اکثر و بیشتر مسلمان انہی چند فقہی مسالک کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان مسالک میں حضرت امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم کے فقہی مسالک شامل ہیں' وہاں ایک اور فرقہ مسلک شیعہ پر ہے جو اہلبیت کے پیروکار ہیں۔ اور آج کے دور میں اکثرا دو مسلک اس فرقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک مسلک شیعہ جعفریہ امامیہ اور دوسرا مسلک زیدیہ۔

ہم نے ایران میں حضرت آیت اللہ خامنہ ای رہبر معظم جمہوری اسلامی ایران کے حکم کے مطابق ایک بین الاقوامی فورم تشکیل دیا ہے جس کا مقصد مختلف اسلامی مسالک کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے اور اس کا نام "مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی" ہے۔ ہماری دعوت اس بنیاد پر ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ زمانہ صدر اسلام میں جو بھی سیاسی اختلافات موجود تھے انہیں تو مکمل طور پر ہمیں بھول جانا چاہئے۔ البتہ مذہب اور مسلکی اختلافات برہان و استدلال کے دائرہ میں قابل قبول ہیں اور قابل بحث

بھی۔

مختلف مذاہب و مسالک کے پیروکار اپنے اپنے امام اور رہبر رکھتے ہیں' ان کا اپنا اپنا مسلک ہے اور ان کی اپنی اپنی فقہ ہے۔ ہر کوئی فرقہ اپنی فقہ پر عمل کرتا ہے اور وہ اپنے امام کی تقلید و پیروی میں ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اسلامی امت واحدہ کے طور پر انہیں اکثر انہی مسائل کا سامنا ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے' خواہ ان مسائل کا تعلق عقیدہ سے ہو یا شریعت و سیاست سے' چاہے کہ ان جملہ امور پر ہم متفق ہوں ہمیں اس امر پر کوئی اختلاف نہیں ہے' کیوں کہ ان جملہ مسالک نے پیغمبر اسلامی ﷺ 'قرآن' قبلہ 'نماز' روزہ' حج' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب کو قبول کیا۔ سبھی ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا معیار ومیزان ان جملہ امور کو قبول کرنا اور ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا معیار و میزان ان جملہ امور کو قبول کرنا اور ان اصولوں پر ایمان لانا ہے۔ اور سبھی کے نزدیک یہ امور و اصول قابل قبول ہیں۔ مسالک اور فرقے بعد میں پیدا ہوئے۔ مسالک تو راستے ہیں اسلام تک پہنچنے کے لئے۔ ہاں یہ راستے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اسلام تو ایک ہی ہے اور یہ راستے اور مسالک بھی تو اصلی و اصولی مسائل میں ایک ہی امت واحدۂ اسلامی کو تشکیل دیتے ہیں' ان کا اصل و اصول پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو بعض مسائل میں ذیلی اور فرعی نوعیت کا ہے جو کہ مجتہدین کے اجتہاد کی بنا پر وجود میں آیا ہے۔ اس نوع کے اختلافات اہل سنت میں بھی ہیں اور اہل تشیع میں بھی موجود ہیں۔ ہم لوگ مسلک شیعہ امامیہ میں بھی مسائل فرعی میں اختلاف نظر رکھتے ہیں کیونکہ دلائل کے اختلاف کے لحاظ سے ہمارے علماء کے فتاویٰ مختلف ہیں۔ باعث تعجب بات یہ ہے کہ مسلک امامیہ میں (یعنی فقہ جعفریہ میں) کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی اہل سنت کے کسی نہ کسی مسلک کے ساتھ مطابقت و موافقت نہ ہو۔ اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور اس پر بحثیں بھی موجود ہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں صدر اسلام کے اختلافی و سیاسی مسائل کو بھول جانا چاہئے۔ ان باتوں کا تعلق ماضی سے ہے اور گزشتہ تاریخ سے ہے اور ہم پر یہ قطعاً لازم نہیں آتا ہے کہ ان مسائل کے بارے میں بحثوں میں الجھے رہیں۔ ہاں البتہ جو مسائل اختلافی ہمارے درمیان میں موجود ہیں ان پر بات چیت کرتے ہوئے ہمیں رواداری کا ثبوت دینا چاہئے اور اس سلسلہ میں درست علمی روش کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ہمیں کسی بات کو بھی محض فقہی اختلاف کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑے یا تنازعہ کا باعث نہیں بنانا چاہئے یا یہاں تک نوبت نہیں لے آنی چاہئے کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے پھریں یا ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کرتے پھریں۔ مسلمان ہونے کی شرط ان اصولوں پر اعتقاد ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جملہ مسلمانوں میں رائج رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم تمام مسلمان ان اصولوں پر متفق ہیں۔ ہاں البتہ مسلکی و فرعی مسائل پر اختلاف رائے موجود ہے اور رہے گا کیونکہ اس سلسلہ میں مجتہدین کا اختلاف رائے موجود ہے' دلائل کا اختلاف موجود ہے' احادیث کا اختلاف موجود ہے' مختلف مسالک میں اصول استنباط کا اختلاف موجود ہے۔ ایک مسلک کے مطابق قیاس کو حجت تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن دوسرے مسلک میں قیاس کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ ایک مذہب کے مطابق ایک روایت صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے' دوسرے مذہب میں دوسری روایت صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے اختلافات موجود رہے ہیں اور رہیں گے۔ یہ اختلاف تو رحمت ہے۔ "اختلاف امتی رحمہ" کے معنی بھی یہی ہیں کیونکہ فرعی و ذیلی مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور اس طرح اختلاف کا دروازہ بھی۔ اور مسلمان زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ان مسالک میں سے کسی ایک کے پیروکار ہو سکتے ہیں۔

شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت نے آج سے تقریباً تیس برس پہلے فتویٰ دیا کہ یہ مسالک جن میں اصل فقہ موجود ہے اور یہ مدتوں سے رائج ہیں' یہ سبھی معتبر ہیں اور ایک مسلمان ان میں سے کسی ایک کی پیروی کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو جناب شیخ محمود شلتوت نے اس وقت کہی' اس کی عملی اساس یہی ہے کہ مشترک اور مسلمہ امور میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ بعض ایسے مسائل میں اختلاف ہے کہ جن کی وجوہ واضح نہیں ہیں چنانچہ ان میں اختلاف نظر موجود ہے۔

بعض مسائل ایسے ہیں کہ مسلمان ان میں اپنے ہی ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں وہ دوسرے مسالک کی تقلید بھی کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے اس ایک مسلک ہی کا پابند نہیں ہو کر رہ جانا چاہئے۔ کسی ایک علاقہ میں کوئی ایک مسلک رواج رکھتا ہو اور وہاں علماء و سابقین کا ایک گروہ اس مسلک کی پیروی کرتا رہا ہو اور عہد حاضر میں بھی اس مسلک کی پیروی اس علاقے میں موجود ہو تو اس سے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونا چاہئے اور یہ مذہبی و مسلکی اختلاف اس امر کا موجب نہیں بننا چاہئے کہ ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنا ہی چھوڑ دیں اور اسلام سے خارج سمجھنے لگ جائیں۔ جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہو کہ وہ ایسے بنیادی اصولوں پر مکمل اعتقاد رکھتے ہوں جو معیار وحدت ملی اور معیار اسلامی کے عین مطابق ہوں۔

**"یہ جو امام خمینی کہتے تھے کہ ایران کا انقلاب برآمد ہونا چاہئے تو ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جس طرح ایران میں اسلام کی بنیاد پر حکومت اسلامی وجود میں لائی گئی ہے تو اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں' ان میں رائج اسلامی فقہوں کے مطابق اسلامی حکومتیں تشکیل دی جائیں"**

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کی ہم "مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی" (مسالک اسلامی کی قربت کے لئے بین الاقوامی فورم) میں پاسداری کرتے ہیں۔ یہ فورم ایک ایسا مرکز ہے جس کی پانچ سال پہلے بنیاد رکھی گئی۔ اس کی ایک مجلس مشاورت ہے جس میں اہل سنت و اہل تشیع کے مختلف مسالک کے نمائندے شریک ہیں اور سال میں ایک دفعہ ان کا ماہ میلاد النبی میں اجتماع ہوتا ہے' جس میں مختلف موضوعات پر سیمینار اور کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ شرکاء مشترکہ و متفقہ مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو عقائد اسلامی کی پابندی کی تاکید و تلقین کرتے ہیں اور اختلافی مسائل پر بحث و اظہار نظر کا دروازہ ایک دوسرے کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ عموماً ہر سال ایک موضوع اس سلسلہ میں مورد بحث قرار پاتا ہے۔ اس سال ماہ ربیع الاول میں "تقریب مذاہب اسلامی سیمینار" میں "کتاب و سنت" موضوع دیا گیا تھا۔ سو سے زائد مقالات اندرون و بیرون ملک سے

اہل سنت و اہل تشیع کی طرف سے اس موضوع پر موصول ہوئے۔ سب کا اس امر پر اتفاق نظر تھا کہ قرآن مجید آسمانی کتاب ہے اور اس میں قطعی طور پر کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور جو کوئی یہ کہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے اسے فرق اسلامیہ میں شمار نہیں کرنا چاہئے اور اگر اس نے غلطی سے یہ بات کہی ہو تو اسے اس سے دستبردار ہو جانا چاہئے اور اگر اس نے یہ بات عمداً کہی ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ قرآن مجید پر یہ خیالات اس فورم سے اتفاق رائے کے ساتھ پیش کئے گئے اور اس سلسلہ میں ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا۔

سنت نبویؐ کے سلسلہ میں سب کا اس امر پر اتفاق تھا کہ یہ اسلام کا دوسرا رکن رکین ہے۔ ہاں البتہ سنت نبویؐ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ بھی مسلمانوں تک پہنچی کہ اہل سنت زیادہ تر اس ذریعے اور واسطے سے سنت نبوی کے مقلد ہیں۔ اس طرح سنت نبویؐ حضرات ائمہ اہل البیت کے ذریعہ بخصوص حضرت جعفر بن محمدؑ کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے حجت اور سند ہے۔

اس امر پر سب کا اتفاق رائے تھا کہ سنت نبویؐ اور اس پر عملدر آمد کے بارے میں وہ تمام قواعد و موازین مدنظر رکھے جائیں جو علم حدیث میں مصطلح ہیں اور بغیر تحقیق کے کسی حدیث یا روایت پر عمل شروع نہیں کر دینا چاہئے۔ تحقیق کے بعد اور بیان شدہ موازین کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت کریں اور پھر اس حدیث کو قبول کریں اور اس کے بغیر قبول نہ کریں۔ اس امر پر کامل اتفاق رائے تھا کہ بہت سارے موازین جو اس سلسلہ میں معین ہیں' قبول سنت نبویؐ کے لئے معتبر ہیں اور سبھی اس بات پر متفق تھے کہ راوی کو صادق ہونا چاہئے' عادل ہونا چاہئے' اس کا مسلک درست ہونا چاہئے' اسے صاحب اعتماد ہونا چاہئے۔ اگر کوئی جانبداری کا مظاہرہ کریں تو ان کی روایت قابل قبول نہیں ہے مگر یہ کہ ان کی بیان کردہ روایت کا ساتھ قرائن بھی دیتے ہوں اور دوسروں نے بھی وہ روایت بیان کی ہو تو وہ جملہ مسائل تھے جن پر کتاب و سنت کے حوالے سے اتفاق رائے موجود تھا۔ ہاں اس سلسلہ میں اختلافی مسائل بھی ہیں۔ آیات قرآنی کے سلسلہ میں مختلف تفاسیر موجود ہیں۔ ایک ہی آیت کو کئی طرح سے تفسیر کیا گیا ہے۔ ان تفاسیر کو جانچنا چاہئے کہ ان میں سے کون سی ظاہر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان میں سے کون سی صحیح روایت حضرت رسول اکرمؐ کی جانب سے ہم تک پہنچی ہے' اسے انتخاب کریں۔ بہرحال تفسیر قرآن ذیل میں اختلاف نظر موجود ہے۔ قرآن مجید کی قراءتوں میں اختلاف موجود ہے۔ یہ سب نقطہ ہائے نظر محترم ہیں لیکن انسان کو اس نقطہ نظر کو قبول کرنا چاہئے جو دلیل و برہان کے ساتھ ہو۔ اس کے بغیر کسی ایک کو دوسرے نقطہ نظر پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ یہ سب مسائل جو بحث مباحثہ کے ذیل میں آئے اور ان پر اتفاق رائے بھی موجود تھا۔ اختلافات بھی پیش کئے گئے لیکن نچلے حلقے میں جن کی تفصیل مقالات اور تقاریر میں آچکی ہے۔

برادران گرامی! ہمیں دو بڑے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے ایک حکومت اسلامی کا مسئلہ ہے۔ ماضی بعید میں حضرت پیغمبر اکرمؐ کے زمانے کے بعد

> "باعث تعجب بات یہ ہے کہ مسلک امامیہ میں کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی اہل سنت کے کسی نہ کسی مسلک کے ساتھ مطابقت و موافقت نہ ہو! اس سلسلے میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور اس پر بحثیں بھی موجود ہیں"

ایسی حکومتیں آئیں کہ جن پر کچھ طبقات کا اتفاق اور کچھ کا اختلاف تھا۔ لیکن آج' کیا آج ہم اس بنیادی امر کو کہ اسلام حکومت کا حامل ہے' نظرانداز کر سکتے ہیں؟ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کہتے تھے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت اسلامی کی بنیاد رکھیں۔ آپ خود اٹھے' ایرانی عوام نے آپ کی پیروی کی' ان کی حمایت کی اور آخر کار آپ ایک اسلامی حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس اسلامی حکومت کی اساس اسلام ہے اور وہ اس امر کی پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اسلامی احکام کو نافذ کرے۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے ایران کی اکثریت شیعہ امامیہ پر مشتمل ہے' اکثر قوانین اسی بنیاد پر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ البتہ ایران میں اہل سنت کے درمیان خود ان کے قوانین کا نفاذ کیا جاتا ہے اور ایران کے آئین جمہوری اسلام میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ اگرچہ ایران کا سرکاری مذہب' مذہب امامیہ ہو گا مگر حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور زیدی مذاہب بھی قابل احترام ہوں گے اور ان مذاہب کے پیروکار ایران میں اپنے قانون (پرسنل لاء) پر عمل کریں گے۔ نکاح اور وراثت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی پیروی خود ان کے اپنے مذہب کی ہو گی چنانچہ آج وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مسلک کے مطابق عبادات انجام دیتے ہیں۔ ان کے مدارس' ان کی مساجد اب بھی موجود ہیں اور انقلاب کے بعد ان میں ترقی اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ عام طور سے ایران میں اہل سنت کے دو مذاہب ہیں۔ ایک مذہب امام ابو حنیفہ اور دوسرا مذہب امام شافعی۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے عمل میں پوری طرح آزاد ہیں۔ اگر آپ کو اس کے برعکس کوئی بات بتائی گئی ہے تو وہ جھوٹ ہے' جھوٹ ہے اور جھوٹ۔

اسلام کے دشمن کوئی کم نہیں ہیں۔ ان کا سرغنہ امریکہ ہے اور اسی طرح بہت ساری وہ حکومتیں جو اسلامی ممالک میں ہیں اور وہ اپنے ہی ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کی مخالف ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ انقلاب کہیں دوسرے ممالک میں اثر و نفوذ پیدا نہ کر لے' ایران کے اسلامی انقلاب کی غلط تصویر دکھائی جاتی اور اس پر افتراء باندھا جاتا ہے۔ یہ تو رہا ایران کا معاملہ' جہاں تک دوسرے اسلامی ممالک کا تعلق ہے تو ہم اس امر کے خواہش مند ہیں کہ ہر اسلامی ملک میں' اس ملک میں رائج مذہب و مسلک کے مطابق اسلامی حکومت تشکیل دی جائے۔ اور اس ملک میں جہاں زیادہ تر امام ابو حنیفہ کے مذہب کے پیروکار موجود ہیں' اسی مسلک کی بنیاد پر' افریقی ممالک جہاں پر امام مالک کے پیروکار موجود ہیں وہاں پر امام مالک کی فقہ کے مطابق حکومت اسلامی بنائی جائے۔

یہ جو امام خمینی کہتے تھے کہ ایران کا انقلاب برآمد ہونا چاہئے تو ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جس طرح ایران میں اسلام کی بنیاد پر حکومت اسلامی وجود میں لائی گئی ہے تو اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں' ان میں رائج اسلامی قضوں کے مطابق اسلامی حکومتیں تشکیل دی جائیں۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ ہمارے ہاں سیاسی مسائل پر کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔ آخر کار ہمارے ہاں شورائی نظام قبول کر لیا گیا۔ ایران میں صدر مملکت لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان بھی عوام کے ووٹوں سے انتخاب کئے جاتے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

# پاکستان کا دشمن نمبر ایک کون : بھارت یا امریکہ؟

## بھارت کے ساتھ تجارتی روابط بڑھانا دونوں ممالک کے فائدے میں ہے

## پاکستان کو اپنے خارجی دشمنوں کا حقیقی ادراک حاصل نہیں ہے

**کراچی کے حالات کے تناظر میں جناب جاوید انور کی ایک اہم تحریر جو روزنامہ "جسارت" کے فرائیڈے اسپیشل (۲۱ تا ۲۷ جولائی) کے ذریعے منظر عام پر آئی**

قوموں کی تباہی و بربادی میں ہمیشہ دو طرح کے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ اول داخلی عوامل اور دوم خارجی عوامل۔ داخلی انتشار کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں تو خارجی عوامل سازش کی شکل میں' لیکن خارجی عوامل اسی وقت کامیاب ہوتے ہیں جب قوم اپنے داخلی امور میں شکست کھا چکی ہو۔ مکھیاں گندگی دیکھ کر بیٹھتی ہیں اور گدھ کبھی زندہ انسانوں کو نہیں نوچتے۔ "داخلہ" کی کامیابی پر ہی "خارجہ" کی کامیابی کا انحصار ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات"

لیکن اصل ضعیفی یہ نہیں ہے کہ آپ فوجی اور دفاعی طور پر کمزور ہیں۔ اب آپ کے پاس تو ماشاء اللہ ایٹم بم بھی ہے۔ لیکن جس قوم کے اخلاق و کردار ضعیف ہوں وہ ایٹم بم کے مقابلے میں معمولی پٹاخوں سے بھی بھسم ہو جاتے ہیں۔ نواب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی فوجی طاقت کم نہ تھی لیکن قوم کے اخلاق کو گھن لگ چکا تھا جو میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ نواب اور سلطان جیتی ہوئی بازی ہار گئے اور انگریز ہارتے ہارتے بھی جیت گیا۔ اب آپ کی آبادیوں میں سینکڑوں نہیں ہزاروں' لاکھوں کی تعداد میں میر جعفر اور میر صادق بستے ہیں۔ ایک معمولی سپاہی اور ایک معمولی کلرک سے لے کر بڑے سے بڑا افسر چند ٹکوں کی رشوت میں دین' ملت' وطن سب کچھ بیچ کر ننگا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اخلاق کی پستی کا یہ نظارہ ہر شخص' ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تعمیر اخلاق ایک ایسا شعبہ ہے جس پر آج تک کل قومی پیداوار کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں جس قوم کے پاس نہ کوئی منزل ہو' نہ کوئی راستہ ہو اگر وہ چٹانوں سے ٹکرا جائے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور جب عمارت بوسیدہ ہو جاتی ہے تو اس کی چھت ضرور گرتی ہے۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے اس کے بعد گرمی' سردی' طوفان اور بارش کی خارجی "سازشوں" کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا تمہید جملہ ہائے معترضہ تھے۔ ہرچند کہ آج کل میرا اصل موضوع "اندرونیات" ہے لیکن آج کی محفل میں "بیرونیات" پر بحث کرنا ہے۔ یہ ہماری صحافتی مجبوری ہے۔ علاوہ ازیں ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی ہمیں اپنے خارجی دشمنوں کا بھی صحیح ادراک نہیں ہو سکا ہے۔ جب چپت مارتا ہے کاکا شیام تو گالی دیتے ہیں انکل سام کو۔ اور اس کے بعد یہی عمل .. میں الٹ جاتا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ نئے عالمی تناظر میں بھی امریکہ کے نزدیک پاکستان کی وہی اہمیت ہو جو سرد جنگ کے وقت تھی اور جب امریکہ کو پاکستان سے بہت سے کام لینے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی بھی امریکی مفادات کی تکمیل یا نگہبانی کے لئے پاکستان کی ضرورت ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ پاکستان کے جغرافیہ کو بگاڑنے میں دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں چین' بھارت اور روس کے "امکانات" کے پیش نظر وہ پاکستان کو کمزور یا ختم کرنا نہیں چاہتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایران' چین اور بھارت کو اپنے اپنے "سائز" میں رکھنے کے لئے مستقبل میں پاکستان کی ضرورت اور بھی زیادہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ وسط ایشیا تک رسائی کے لئے اس کو کراچی میں امن و امان اور پاکستان کے استحکام کی بھی ضرورت ہو۔ پھر کراچی کے مختلف منصوبوں میں بیرونی سرمایہ کاری کے تحفظ وغیرہ کے حوالے سے ہو سکتا ہے امریکہ شاید یہاں امن کا بھی خواہاں ہو۔ گیٹ (GATT) معاہدہ کے بعد "فری پورٹ" کے حصول والی اسٹوری بھی بے معنی لگتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود پہلی بات یہ ہے کہ ملکی

> "ہمیں کرنا یہ ہے کہ ہم نے جو تجارتی اور اقتصادی سہولیات مغرب کو دی ہوئی ہیں وہی سہولیات بھارت کو دے دیں۔ بعض لوگ اس معاملے میں بہت جذباتی ہیں۔ میری دلیل یہ ہے کہ جب مغربی مصنوعات کو استعمال کر کے آپ کا اسلام متاثر نہیں ہوتا تو بھارتی مصنوعات میں کفر کے کون سے عناصر ہیں جس سے آپ "آلائش کفر" میں مبتلا ہو جاتے ہیں"

اقتصادیات کو امریکی زیر اثر مالیاتی اداروں کے ذریعہ مکمل طور پر کنٹرول کیا جائے گا بلکہ کیا جا چکا ہے یہاں کی دیسی معیشت کی عمارت کو گرائے بغیر مغربی معیشت کی عمارت صحیح طور پر تعمیر نہیں ہو سکے گی چنانچہ "مقامی صنعت" کو پنپنے نہیں دیا جائے گا۔ اور اس پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری کو پوری طرح سے مکمل کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کے ہر آثار کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ "بنیاد پرستی" اور "ملائیت" کو مغربی ہدایت کار اور سرمایہ کار برداشت نہیں کریں گے۔ اب ڈش انٹینا ایک ماہ کے راشن سے بھی کم قیمت پر مہیا ہو گا۔ جن لوگوں کو دو وقت کی روٹی بھی ڈھنگ سے میسر نہیں' ان کی جھگی' جھونپڑیوں اور چھتوں پر ڈش انٹینا نظر آئے گا بلکہ اب نیکنالوجی جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے اس میں تو یہ نظر آتا ہے کہ ایک راہ گیر سڑک پر چلا جا رہا ہو گا اور ایک چھوٹا سا ائی وی اس کی ہتھیلی میں فٹ ہو گا اور اس کے سر پر جو ٹوپی ہو گی اس میں ڈش انٹینا اڑسا ہوا ہو گا۔ مجھے یاد ہے کہ اسٹار ٹی وی کے بانی نے کہا تھا کہ ہماری اصل مارکیٹ اور ہدف مسلم ممالک ہیں جہاں سیکس پر پردہ ہے اور جہاں کے لوگ سیکس کے معاملے میں زیادہ پر تجسس ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ "پاکستان کارڈ" صرف اور صرف زندگی کا تحفظ تو دے سکتا ہے' ایمان اور حمیت کا تحفظ فراہم نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی موجودگی میں امریکہ کبھی اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ ایمان اور حمیت جیسی شے کو اہمیت دینے والا کوئی بھی سیاست دان یا حکمران موجودہ حالات میں امریکہ کے سامنے "پاکستان کارڈ" استعمال نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے تو ہر حال میں ایمان فروش اور امریکہ کے سامنے سربسجود حکمرانوں کی ہی ضرورت ہو گی۔ "پاکستان کارڈ" تو محض ایک چٹکی لینے والی بلیک میلنگ ہے جسے کوئی ہوشیار لیکن نمک خوار غلام ہی خوبی سے استعمال کر سکتا ہے۔

جہاں تک جان کی امان کا سوال ہے اس میں بھی سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اگر آج بھارت پاکستان پر حملہ کر دیتا ہے تو اپنے تمام تر علاقائی' معاشی اور سیاسی مفاد کے باوجود کیا امریکہ پاکستان کی مدد کو آئے گا؟ میرا خیال ہے کہ یہی وہ نکتہ ہے جس کو اس وقت کوئی بھی تجزیہ نگار زیادہ اہمیت نہیں دے رہا۔ جب آپ امریکی نقطہ نگاہ سے حالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو آپ کو "سلامتی کا راستہ" نظر آ سکتا ہے لیکن اگر آپ بھارتی نقطہ نگاہ سے دیکھیں گے تو معاملہ برعکس ہو گا۔ بھارت تو ہر حال میں پاکستان کا جغرافیہ بگاڑ دینا چاہتا ہے۔ یہ کوئی خیالی بات نہیں مشرقی پاکستان کا سانحہ پیش نظر ہے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کو خطرہ امریکہ کی طرف سے فوجی یلغار کا نہ کبھی پہلے تھا اور نہ آئندہ ہے لیکن کیا بھارت کی طرف سے یہ خطرہ ٹل گیا ہے اور اگر خطرہ والی صورتحال ہوئی تو کیا امریکہ اس میں کوئی فعال کردار ادا کر سکے گا؟

۱۹۷۱ء میں پاکستان سے امریکہ کے اسٹریٹیجک مفادات آج کے مقابل میں بدرجہا زیادہ تھے اور ملک کے تمام دانشوروں اور سیاست دانوں کا خیال یہی تھا کہ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ ضرور آئے گا اور جنگ کا پانسہ پاکستان کے حق میں پلٹ جائے گا کیونکہ امریکہ کو پاکستان کی ضرورت ہے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

> "ایک معمولی سپاہی اور ایک معمولی کلرک سے لے کر بڑے سے بڑا افسر چند ٹکوں کی رشوت میں دین ملت' وطن سب کچھ بیچ کر ننگا کھڑا ہو جاتا۔ اخلاق کی پستی کا یہ نظارہ ہر شخص' ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے"

آج بھی اگر خالص پاکستان کے تحفظ اور سلامتی کے حوالے سے دیکھا جائے تو آپ کا دشمن نمبر ایک بھارت ہی ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ امریکہ بھارت کے ہاتھ پکڑنے کی صلاحیت سے آج کچھ زیادہ ہی "محروم" ہے۔ ۱۹۹۵ء میں کراچی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ میں ہو چکا ہے۔ یہ گویا ایک طرح کا ایکشن ری پلے ہے۔

صحیح صورتحال یہ ہے کہ اس وقت ۱۹۷۱ء کے مقابلے میں پاکستان زیادہ کمزور پوزیشن میں ہے۔ بھارت کے سلسلے میں جناب شاہد ہاشمی گزشتہ شمارہ کے اپنے تجزیئے میں لکھ چکے ہیں کہ "بھارت عرصہ سے بحیرہ ہند کو اپنا حلقہ اثر سمجھتا رہا ہے وہ پہلے مرحلہ میں جنوبی ایشیائی سپر پاور بننا چاہتا ہے پھر آٹھ سو ملین کی آبادی' تیز رفتار معاشی ترقی و صنعتی ترقی' بڑھتی ہوئی عسکری مشینری اور عیارانہ ڈپلومیسی کے بل پر ایک روز امریکہ کا مدمقابل بننے کی تیاری کر رہا ہے"۔ (دستک' فرائیڈے اسپیشل) دوسری طرف خارجی میدان میں بھارت کو کئی کامیابیاں ملی ہیں۔ مثلاً اس نے ایک طرف چین کے ساتھ اپنے سرحدی تنازعات ختم کر لئے ہیں اور پاکستان کی امریکہ سے قربت کے باعث چین کا جھکاؤ واضح طور پر بھارت کے ساتھ ہو گیا ہے۔ گویا ماضی کے دوست "چین" بھی حال میں پاکستان کی امریکہ نوازی کے باعث اور امریکہ کی طرف سے خود کو خطرات میں گھرتا دیکھ کر بھارت سے دوستی بڑھا چکا ہے۔ افغانستان کی ربانی حکومت بھی بھارت سے قریب ہو رہی ہے اور اب ظاہر شاہ کے داماد کی پاکستان آمد اور افغانستان کے داخلی امور میں پاکستانی مداخلت (بخواہش امریکہ) کے باعث افغانستان سے تعلقات بہت ہی زیادہ بگڑ چکے ہیں' یعنی ایک طرف اپنے دوستوں کو دشمن بنا کر خود ساختہ دشمنوں میں گھرا ہوا ملک پاکستان ہے جبکہ دوسری طرف دشمنوں کو دوست بنا کر بھارت مدمقابل ہے۔ علاوہ ازیں اگر ۱۹۷۱ء میں امریکہ کا بحری بیڑہ آنے کی امید تھی تو یہ امید ۱۹۹۵ء میں موہوم ہوئی ہے۔ واحد سپر پاور ہونے کے باوجود امریکہ کی صورتحال یہ ہے کہ وہ صومالیہ میں چند دنوں کے لئے بھی اپنی فوج کھڑی نہ کر سکا اور وہ اپنے صرف ایک فوجی کی زندگی کے لئے دنیا کے کسی خطے میں امن کے قیام کے مشن سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ اس وقت اصل منظر کیا ہے۔

(۱) بھارت کشمیر کی جنگ کراچی میں لڑ رہا ہے۔ یہ جاسوسی کا انتہائی جارحانہ انداز ہے اور جس کا مقصد فوج کو داخلی معاملات میں بری طرح ملوث کر کے کشمیر میں آسانیاں حاصل کرنا اور جنگ کی صورت میں فوج کو اس کے اپنے علاقوں میں محصور کر دینا ہے۔

(۲) کراچی کو بہت تیزی سے اس نقطہ ابال تک پہنچایا جا رہا ہے جہاں پر پاکستان سے یہ سوال کیا جائے کہ کشمیر یا کراچی؟ اور وہ "کراچی" کے لئے کشمیر سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہونے کے لئے آسانی سے آمادہ ہو جائے۔

(۳) جب بھی اس سوال یعنی کشمیر یا کراچی؟ کی نوبت آئے گی اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو گی اور اگر پاکستان نے کراچی کے بدلے کشمیر کا سودا کیا تو کراچی کو بچانا بھی ممکن نہیں رہے گا یعنی کشمیر اور کراچی دونوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

(۴) ایم کیو ایم اپنے تمام کارڈز کھیل چکی ہے اور اس کے پاس سب سے طاقتور آخری دو کارڈز رہ گئے

ہیں اور یہ دونوں کارڈ تقریباً ایک ساتھ سامنے آنے کا امکان ہے۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت ان کے ۱۸ نکات نہیں مان رہی ہے وہ علیحدہ صوبہ جیسی بات کیسے مانے گی۔ علیحدہ صوبہ کے مطالبہ پر (جو اب مہاجر اکثریت کا مطالبہ بن چکا ہے) اس قدر ردعمل سامنے آئے گا اور اس مطالبہ اور اس تحریک کو کچلنے کے لئے اتنا زور لگایا جائے گا کہ وہی جواز بن جائے گا علیحدگی کے مطالبہ کا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تحریکوں کو طاقت کے بل بوتے پر نہ کبھی پہلے دبایا جا سکا ہے اور نہ آئندہ دبایا جا سکے گا۔ جب آپ خود اپنے ہاتھوں ایک "گوریلا فوج" کھڑی کر کے اپنی موت کا سامان کر لیں تو دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے کا کوئی جواز نہیں۔ الطاف حسین صاحب کا انداز سیاست صاف بتا رہا ہے کہ ان کے ہاتھ میں علیحدگی کا کارڈ بھی موجود ہے جو سب سے آخر میں کھیلا جائے گا اور ملک کی تمام قوتیں اسے اس "آخر" تک پہنچنے میں مدد دے رہی ہیں اور مواقع فراہم کر رہی ہیں۔

(۵) ایسا اب صاف ظاہر لگتا ہے کہ سندھ کے قوم پرست اور جاگیردار وڈیرے کراچی کی علیحدگی کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہیں۔ شہری آبادیاں خود ان کے اپنے سسٹم کے لئے خطرناک ہیں، ان کا اپنا نظام بھی اب ہلتا ہوا نظر آتا ہے، چنانچہ کراچی کے معاملے میں وہ زیادہ فکرمند نظر نہیں آتے اور وہ اپنی "جان چھڑانے" میں ہی عافیت محسوس کرنے لگے ہیں۔

آخر میں سوال یہ اٹھتا ہے کہ موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ سب سے پہلا کام تو وہی ہے جس کا ذکر اس مضمون کے شروع میں کیا جا چکا ہے اور سب سے اہم کام بھی وہی ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کے حوالے سے نئے حالات میں اب نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ یہ اجتہاد کلی ہو گا نہ کہ جزوی۔ جزوی اجتہاد وہ ہوتا ہے جو کسی خاص مسئلے میں خاص موقع پر ایک محدود دائرے میں رہ کر کر لیا جائے۔ کلی اجتہاد مستقبل کو سامنے رکھ کر وسیع تناظر میں وسیع تر مفادات کے لئے کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ اجتہاد کرے گا کون اور نیک مشوروں کو سنے گا کون؟ اس کے لئے ہمیشہ "مخلص حکمرانوں" کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ دل کا بدلنا اور دل میں کسی بات کا ڈال دینا بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے ایک مسلمان کو ہمیشہ اچھے گمان کے ساتھ اپنی رائے دے دینی چاہئے۔

**"اب ہمیں ایک ایسی خارجہ حکمت عملی وضع کرنی چاہئے جس کے نتیجے میں ہمارا دشمن نمبر ایک یعنی بھارت دوست نمبر ایک بن جائے اور اس کے بعد بھارت اور پاکستان ایک دوسرے کی تباہی میں مددگار بننے کی بجائے ایک دوسرے کی ترقی اور خوشحالی میں مددگار بن جائیں"**

میرا خیال ہے کہ نئے عالمی تناظر اور بھارتی عزائم کو سامنے رکھا جائے تو ابھی بھی پاکستان کا دشمن نمبر ایک بھارت ہی ہے۔ یہ ایک فوری (immdiate) قسم کا دشمن ہے۔ جس کا واحد مقصد پاکستان کو کمزور کرنا ہے تاکہ اس کا بحیرہ ہند پر مکمل قبضہ ہو اور اسے علاقہ کی سب سے بڑی قوت بننے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو اور وسط ایشیا تک اس کے لئے کھلی چراگاہ۔ اس سلسلے میں میرا اجتہاد یہ ہے کہ اب ہمیں ایک ایسی خارجہ حکمت عملی وضع کرنی چاہئے جس کے نتیجے میں ہمارا دشمن نمبر ایک یعنی بھارت دوست نمبر ایک بن جائے اور اس کے بعد بھارت اور پاکستان ایک دوسرے کی تباہی میں مددگار بننے کے بجائے ایک دوسرے کی ترقی اور خوشحالی میں مددگار بن جائیں۔

(۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو طاقتور اور بااثر شخصیات تھیں جو مسلمانوں کی دشمن نمبر ایک تھیں۔ پہلی شخصیت کو تاریخ حضرت عمرؓ کے نام سے جانتی ہے اور دوسری شخصیت کو ابوجہل کے نام سے۔ محمد رسول اللہؐ نے ان دونوں دشمنوں میں سے کسی ایک کو دوست نمبر ایک بنانے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں بھی کیں۔ اس وقت پاکستان کے سامنے ٹھیک اسی طرح "امریکہ" اور "بھارت" کی شکل میں دو بڑے طاقتور اور باصلاحیت دشمن موجود ہیں۔ چنانچہ ان میں سے دونوں کو دوست نمبر ایک بنانے کی کوشش بھی کرنی چاہئے اور دعائیں بھی۔ اس میں سے بہرکیف کم از کم ایک کے اندر حضرت عمرؓ بننے کی صلاحیت موجود ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ وہ صلاحیت بھارت کے اندر ہے۔

(۲) اگر پاک بھارت دوستی مضبوط اور مستحکم ہو تو اس خطہ میں پاک، بھارت، چین، ایران، افغانستان، وسط ایشیا کے ممالک مل کر ایک ایسا طاقتور بلاک بنا سکتے ہیں جو ایک مضبوط ترین ایشیا کارڈ کے حامل ہوں گے جس کے بعد امریکہ اور یورپ کے لئے اس خطہ میں اپنی مرضی چلانا ناممکن ہو جائے گا۔ ان کے لئے ایشیا کے دروازے بند ہو سکتے ہیں اور اس خطہ کے تمام ممالک اس امریکی "شر" سے محفوظ رہ سکتے ہیں جس کی شکایت کم و بیش ان تمام ممالک کو ہے۔

(۳) پاک بھارت دوستی میں سب سے بڑی رکاوٹ "کشمیر" ہے۔ لیکن "کشمیر" کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس سب سے پاور فل "اقتصادی کارڈ" موجود ہے۔ ہمیں کرنا یہ ہے کہ ہم نے جو تجارتی اور اقتصادی سہولیات مغرب کو دی ہوئی ہیں وہی سہولیات بھارت کو دے دیں۔ بعض لوگ اس معاملے میں بہت جذباتی ہیں۔ میری دلیل یہ ہے کہ جب مغربی مصنوعات کو استعمال

**"میرا خیال یہ ہے کہ "پاکستان کارڈ" صرف اور صرف زندگی کا تحفظ تو دے سکتا ہے، ایمان اور حمیت کا تحفظ فراہم نہیں کر سکتا۔ ایمان اور حمیت جیسی شے کو اہمیت دینے والا کوئی بھی سیاست دان یا حکمران موجودہ حالات میں امریکہ کے سامنے "پاکستان کارڈ" استعمال نہیں کر سکتا"**

کر کے آپ کا اسلام متاثر نہیں ہوتا تو بھارتی مصنوعات میں کفر کے کون سے وہ عناصر ہیں جس سے آپ "آلائش کفر" میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بھارت کے نزدیک پاکستان ایک للچا دینے والی منڈی ہے کیونکہ پاکستان بنیادی طور پر ایک

خرچیلا اور صارف معاشرہ ہے۔ ہم اللے تللے اور خرچ کرنے کے معاملے میں بہت آگے ہیں۔ چنانچہ بعض مصنوعات کے لئے پاکستان کی منڈی بھارت سے بھی بڑی منڈی بن سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم بھارت کو وسط ایشیا تک رسائی کے لئے راہداری مہیا کر دیں۔ سڑک اور سمندر کی سہولیات فراہم کریں' یعنی اس خطہ میں بعض "چراگاہیں" مشترک بنالیں تو اس قسم کا اقتصادی اور تجارتی سہولیات کا پیکج ہم کشمیر کے بدلے میں بھارت کو دے سکتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ بھارت اس تجارتی اور معاشی مفاد کو نظرانداز کر کے کشمیر میں نہ جیتنے والی جنگ لڑتا رہے۔

(۴) بھارت کے ساتھ بہتر تجارتی اور اقتصادی تعلقات اور معاملات سے بھی صرف بھارت کو ہی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ پاکستانی صنعت کاروں کے لئے بھی بھارت جیسی بڑی منڈی کھلے گی تو پاکستانی صنعت کا پہیہ خود بخود تیزی سے گھومنے لگے گا۔ ایسی پاکستانی مصنوعات کی تعداد بھی کم نہیں ہے جسے ہم بھارتی مارکیٹ میں مقبول بنا سکیں۔ دو طرفہ تجارتی معاہدے میں فائدہ دونوں ممالک ہے ہے۔ البتہ نقصان صرف "مغرب" کا ہے۔

(۵) امریکہ میں بسے ہوئے ہندو بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے ہنرمند ہاتھوں اور دماغوں کے سہارے ہی امریکہ چل رہا ہے جبکہ مسلمان فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ مسلمانوں (یعنی عربوں) کی دولت پر ہی امریکہ کی معیشت کا انحصار ہے اگر وہ بینکوں سے اپنا سرمایہ نکال لیں تو امریکی معیشت اسی دن بیٹھ جائے گی۔ یعنی ہندوؤں کا ذہن اور مسلمانوں کی دولت ان کے اپنے کسی کام جو نہ آسکی لیکن امریکہ نے دونوں کو خوب استعمال کیا یعنی آج بھی اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کیا جائے تو ان کے پاس وہ ذہنی اور معاشی قوت موجود ہے جس کے ذریعہ وہ "سپریم پاور" بن سکتے ہیں۔

(۶) بھارت کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی معاہدے کے بعد اس میدان میں بھارت کی برتری کے باعث لازماً وہ زیادہ بہتر پوزیشن میں ہو گا اور بیلنس آف ٹریڈ اس کے حق میں جھکا ہوا ہو گا۔ علاوہ ازیں وہ اس خطہ میں ایک "عظیم اقتصادی ایمپائر" بنا سکتا ہے لیکن بھارت "نظریہ" کا محتاج ہے۔ اقتصادی میدان میں وہ ہمیں شکست دے سکتا ہے لیکن دعوتی میدان میں وہ شکست نہیں دے سکتا۔ "اسلام" میں بلا کی تسخیری صلاحیت موجود ہے۔ بھارت کی نظریاتی پیاس صرف اور صرف اسلام کے سرچشمہ سے ہی بجھ سکتی ہے۔ بھارت میں اجتماعی قبولیت اسلام کے امکانات روشن ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس امکان کو نظرانداز اور اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے کہ اگر "اقتصادی ایمپائر" قائم نہ کر سکے تو ہم "نظریاتی ایمپائر" ضرور قائم کر سکتے ہیں۔ یہ "نظریاتی ایمپائر" اب صرف حاملین اسلام ہی قائم کر سکتے ہیں کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو غیر تحریف شدہ ہے۔

(۷) پاک بھارت دوستی کا راستہ قومی "عصبیت" اور "تفاخر" کے نتیجے میں کبھی نہیں کھل سکتا۔ اس دوستی کا راستہ یہ ہے کہ ہم داعی اور مدعو کا منصب جو ہمارا اصل منصب ہے اختیار کریں۔ بھارت کو "مدعو" سمجھیں اور خود "داعی" کا منصب سنبھالیں۔ داعی کو مدعو کے بہت سے ناز نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان کی تالیف قلب کے لئے بھی کام کرنا پڑتا ہے اس رشتہ اور اس تعلق کی نوعیت ہی مختلف ہے۔

(۸) امریکہ کے مقابلے میں بھارت کو اس لئے بھی ترجیح دینی چاہئے کہ وہاں ہمارے بزرگوں کی صدیوں کی محنت و جانفشانی کے اثرات ہیں۔ وہاں کی گلی گلی ہمارے اسلاف کے قدموں کی چاپ کا ریکارڈ رکھتی ہے۔ جہاں ہمارے ہزاروں سال کے تہذیبی اثرات ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی دوسری سب سے بڑی آبادی ہندوستان میں بستی ہے۔ ہماری نفسیات' ہماری زبان' ہمارے رنگ' نسل اور طور طریقے یکساں ہیں۔ ہم ان سے مغرب کے مقابلے میں بہت بہتر طور پر ابلاغ

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

# چوں کفر از کعبہ برخیزد!

## انسداد دہشت گردی کا امریکی مسودہ قانون

۱۰/ فروری ۱۹۹۵ء کو کلنٹن انتظامیہ کا تیار کردہ جامع انسداد دہشت گردی ایکٹ ۱۹۹۵ء سینٹ اور ایوان نمائندگان میں پیش کیا گیا تھا۔ اس ایکٹ سے دہشت گردی کا مقابلہ کرنے میں وفاقی حکومت اور قانون کا نفاذ کرنے والے اداروں کو کھلی چھٹی مل جائے گی اور امریکی شہریوں کو ایک جگہ جمع ہونے' آزادی رائے' تلاشی کے لئے وارنٹ کی ضرورت اور غیر جانبدارانہ عدالتی کارروائی کے جو حقوق حاصل ہیں ان کو تحفظ فراہم ہونے کی بجائے الٹا ان پر شدید زد پڑے گی۔

اگر اسے قانونی درجہ حاصل ہو گیا تو:

۱۔ صدر امریکہ کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ کسی بھی تنظیم کو دہشت گرد تنظیم قرار دے دیں اور اس بنا پر کسی بھی امریکی شہری کو اس تنظیم سے تعلق رکھنے کے الزام میں جیل بھجوا دیں اور غیر ملکی باشندے کو ملک سے نکال دیں۔ صدر کے اس فیصلے کے خلاف نہ تو عدالت میں اور نہ ہی کانگریس میں کوئی شنوائی ہو گی۔

۲۔ حکومت کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ کسی بھی غیر ملکی باشندے کو اس کا جرم بتائے بغیر ملک سے خارج کر دے۔

۳۔ حکومت کسی بھی شخص کے امریکہ میں داخلے سے متعلق نجی ریکارڈ کی جانچ پڑتال کر سکے گی۔

۴۔ ایف۔بی۔آئی کو اجازت ہو گی کہ کسی جرم کے واقع ہونے کی شہادت کے بغیر بھی لوگوں کے خلاف تفتیش شروع کر دے۔

۵۔ تفتیش کے دوران متعلقہ شخص کی ڈاک اور ٹیلیفون پر نظر رکھی جا سکے گی۔

# کیا صدر حسنی مبارک بدحواسی کا شکار ہیں؟

## مصر میں جمہوریت کا ڈھنڈورا محض ایک فریب ہے

## "الاخوان المسلمون" کا جرم یہ ہے کہ وہ حسنی مبارک کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کرتی ہے

## بوسنیا میں مجاہدین کی مبینہ کارروائیاں بوسنیا کے مفاد میں ہیں؟

## امریکہ کی جدید ہتھیاروں سے لیس تربیت یافتہ فوج چند سو نہتے مجاہدین سے خوف زدہ ہے!

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

کیا صدر حسنی مبارک خوف کے مارے بدحواس ہو کر عوام کو روندنے پر اتر آئے ہیں؟ نومبر کے آخر میں جو انتخابات ہوئے ہیں اس موقع پر پولیس گردی میں شدت اور الاخوان المسلمون کے ۵۴ بے گناہ افراد کو سزائیں دینے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آخر اس طرح وہ انتخابات کا ڈھونگ رچا کر اسلامی نظام کی خواہاں اکثریت کے مقابلے میں اپنی نام نہاد "نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی" کو کامیابی دلانے سے اپنے اقتدار کو مزید طول دینے میں کامیاب ہو جائیں گے؟

خلاف قانون قرار دی گئی "الاخوان المسلمون" کو جسے مصر میں بہت حد تک قبول عام حاصل ہے' ہراساں کر کے مبارک حکومت نے غیر جانبدار طبقے کو ہی غصہ نہیں دلایا اپنے سرپرست اعلیٰ امریکہ کو بھی' جو جمہوریت کا علمبردار بنا پھرتا ہے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ گزشتہ ہفتے فوجی عدالتوں میں زیر سماعت مقدمات کے علاوہ' جن میں "الاخوان المسلمون" سے تعلق رکھنے والے ۶۰ افراد میں سے ۵۴ کو جو بیشتر وکلاء اور ڈاکٹر ہیں اور جن میں سے کوئی بھی تشدد کا حامی نہیں' حکومت مخالف خفیہ اجتماعات منعقد کرنے کی پاداش میں قید بامشقت کی سزائیں سنائی گئی ہیں' صرف قاہرہ میں الاخوان المسلمون کے ۴۰۰ حامی گرفتار کئے گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بطور الیکشن ایجنٹ انتخابی عمل کی نگرانی کے لئے نامزد کیا گیا تھا جس کی حکومت کی طرف سے اجازت دی گئی تھی مگر جونہی انہوں نے متعلقہ حکام کے سامنے اندراج کے لئے اپنے نام پیش کئے پولیس نے انہیں گرفتار کر لیا۔

مصر میں جماعتی بنیادوں پر انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں' آزاد امیدوار ہی انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں' جماعتیں اپنی پسند کے امیدواروں کی صرف تائید کر سکتی ہیں۔ ۴۴۴ نشستوں میں سے مبارک کی این - ڈی - پی ۴۳۹ نشستوں پر امیدواروں کی حمایت کر رہی ہے۔ کل ۴۰۰۰ امیدوار میدان میں ہیں جن میں سے کہا جاتا ہے کہ صرف ۱۵۰ "الاخوان المسلمون" کے حمایت یافتہ ہیں۔ نیم سرکاری روزنامہ الاہرام کے اندازے کے مطابق مبارک کے کم از کم دو تہائی امیدوار کامیاب قرار پائیں گے۔ اگر ایسا تھا تو یہ بوکھلاہٹ چہ معنی دارد؟ جبکہ مصر کے ایک جمہوری ریاست ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مبارک کے سر پر الجزائر جیسی صورتحال پیش آنے کا خوف سوار ہے لیکن اس سے زیادہ جان کا خطرہ ہے۔ ادیس بابا میں قاتلانہ حملے سے بچ نکلنے کے ۵ ماہ بعد اسلام آباد میں سفارت خانہ کی تباہی سے مصری حکومت کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا ہے کہ اس نے اپنے "دشمنوں" کا صفایا کر دیا ہے۔

"الاخوان المسلمون" واحد جماعت ہے جو صدر مبارک اور اس کی حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف کسی قدر آواز بلند کرتی ہے۔ کیا اسے دبا کر دنیا کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم دہشت گردی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں جبکہ مصری حکومت اور نوکر شاہی کی بدعنوانی ایک ضرب المثل بن چکی ہے!! مصر کی انسانی حقوق کی تنظیم نے جو ابھی گورنمنٹ کی حراست میں ۲۶ اسلام پرست افراد کے قتل کے خلاف دہائی دے رہی تھی' حکومت نے ۵۴ بے گناہ افراد کو فوجی عدالتوں سے سزائیں دلانے کا کارنامہ انجام دے دیا' صدر نے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام پسندوں سے مصر میں سانس لینے کا حق سلب نہ کریں۔ مصر کے ایک ممتاز سوشلسٹ راہنما محمد سید احمد نے تشویش ظاہر کی ہے کہ اسلام پسندوں کے خلاف حکومتی مظالم عوام میں انہیں ہیرو کا درجہ دلانے کا باعث ثابت ہوں گے۔ ادھر اگرچہ حقوق انسانی کے ایک امریکی گروہ نے فوجی عدالتوں کے ذریعے دی گئی سزاؤں کی مذمت کی ہے' قاہرہ میں امریکی سفارت خانہ ابھی تک خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔OO

☆☆☆☆☆☆

یخ بستہ ہوا میں پہاڑی چوٹی پر ایک جگہ افغان مجاہدین کے مخصوص سیاہ لباس میں ملبوس چند باریش عرب مجاہد سردی کی شدت کا احساس کم کرنے کے لئے اپنی ٹانگوں کو اوپر نیچے حرکت دینے میں مصروف ہیں اور خود کار رائفلیں ایک طرف رکھ کر امریکی سپاہیوں کی آمد کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ سیاہ علم تھامے جس پر سفید رنگ میں عربی عبارت درج ہے ایک جنگجو کہہ رہا تھا' "امریکی ٹینکوں کا ہم پر کوئی رعب نہیں۔ ہم یہاں اسلام کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے آئے ہیں۔ ہم پر یہ فرض ہے' کوئی کافر فوج ہمارا راستہ نہیں روک سکتی۔ یہ مسلمان ملک ہے اور مسلمان ہی اس کا دفاع کریں گے۔ ہم یہاں ۴۰۰ کی تعداد میں ہیں اور ہم میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جسے اسلام سے

زیادہ اپنی جان عزیز ہو"۔

بوسنیا میں جنگ بندی کے بعد ان مسلمان مجاہدین نے' جنہوں نے شدید جنگ میں سربوں اور کروٹوں کے خلاف بوسنیا کی سرکاری فوج کا ساتھ دیا ہے' اپنا رخ اسلام دشمنوں کی طرف کر لیا ہے۔ گزشتہ ماہ یو۔ این۔ او کے ملازم ایک امریکی شہری کے قتل میں بھی خیال ہے کہ ان کا ہاتھ تھا۔ مسلمان مجاہدین' جن کی تعداد ۳ سے ۴ ہزار کے لگ بھگ ہے اکثر افغان جنگ کے تربیت یافتہ ہیں اور اپنے ممالک میں شدت پسند گروہوں کے ساتھ تعلق کی بنا پر وہاں کی حکومتوں کو مطلوب ہیں۔ مصر' الجزائر' سعودی عرب اور یمن میں سرگرم عمل مختلف اسلامی گروہ حکومت کا تختہ الٹ کر عسکری اسلام لانا چاہتے ہیں' جس کے لئے بوسنیا کے اکثر مسلمان خود بھی خواہاں نہیں ہیں۔ یہ مجاہدین جو اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں اکثر یو۔ این۔ او کی گاڑیوں کو سڑک سے ہٹنے پر مجبور کرتے ہیں' دکانوں میں رکھی شراب کی بوتلیں اٹھا کر پھینک دیتے ہیں اور عیسائیوں کو بندوق کی نالی پر بوسنیا چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔

۵/ اکتوبر کو یو۔ این۔ او کے برطانوی دستے نے ایک مجاہد کو جس نے ان پر پستول تان لیا تھا گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ مجاہدین نے اس کا انتقام لینے کی دھمکی دی ہے۔ یو۔ این۔ او کے حکام کا کہنا ہے کہ بوسنیا کے ایک مسلمان سپاہی' علی الدین ہودک (Elvedin Hodzic) کا قتل' جو مجاہدین کا ساتھی تھا' ایک ایسا واقعہ ہے جس سے اسلامی جنگجوؤں اور امریکی فوجی دستوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو سکتی ہیں۔ گولی مارنے کے ۵ روز بعد ایک پہاڑی سڑک کے ساتھ یو۔ این۔ او کی فوجی نگراں ٹیم پر راکٹ سے گرنیڈ داغا گیا۔ ٹیم کی آمرڈ کار تباہ ہو گئی' لیکن اس میں موجود افراد کو معمولی چوٹیں آئیں۔ دو ہفتے بعد زووکی (Zavidovici) قصبے میں گشت پر موجود یو این او کے برطانوی سپاہیوں کو مسلح مجاہدین نے گھیر لیا لیکن بوسنیا کے سرکاری فوجی دستے کی مداخلت پر ان کی جان بچ گئی۔

۱۸/ نومبر کو کیمڈن (Camden)' نیو جرسی کے رہائشی' ولیم جیفرسن کو جو یو۔ این۔ او کا ملازم تھا بنووسی (Banovici) کے قریب سر میں دو دفعہ گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ یو۔ این۔ او کے حکام کو پورا شک ہے کہ اسے مجاہدین نے برطانوی سمجھ کر ہلاک کیا ہو گا۔

اکثر برطانوی امدادی کارکن' جن کے گھروں پر حملے کئے گئے ہیں اور دیواروں پر عربی زبان میں نعرے لکھے ہیں زینکا (Zenica) چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ چند ایک جو وہاں رہ رہے ہیں وہ بغیر نشان کے گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اور الگ راستے اختیار کرتے ہیں اور رات کو بالکل باہر نہیں جاتے۔ "زینکا" میں برطانیہ کے سمندر پار ترقی کے انتظامی دفتر نے مسلح گارڈ رکھ لئے ہیں اور دفتر سے اپنے بورڈ ہٹا لئے ہیں۔ انتظامی امور کے ڈائریکٹر فریڈ یلپ (Fred Yallop) کے مطابق یہ نفسیاتی خوف گولہ باری سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ برطانوی باشندوں کے ساتھ ہونے والی جھڑپوں میں مجاہدین کی طاقت کے سامنے مقامی حکام کی بے بسی امدادی کارکنوں میں بددلی پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہے۔

> "ادلیس بابا میں قاتلانہ حملے سے بچ نکلنے کے پانچ ماہ بعد اسلام آباد میں سفارت خانہ کی تباہی سے مصری حکومت کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوا ہے کہ اس نے اپنے "دشمنوں" کا صفایا کر دیا ہے"

یو۔ این۔ او کے ایک اعلیٰ عہدہ دار کے مطابق اصل مسئلہ یہ ہے کو مقامی حکام کا مجاہدین پر کوئی کنٹرول نہیں۔ بوسنیا کی حکومت ان مجاہدین کو تحفظ دیتی ہے۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اکثر مجاہدین کے پاس بوسنیا کے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ ہیں حالانکہ وہ یہاں کی زبان نہیں بولتے۔ مغربی امدادی کارکن اکثر شکایات درج کراتے رہتے ہیں کہ مجاہدین ان کی گاڑیاں لے جاتے ہیں مگر پولیس کو جرات نہیں ہوتی کہ ان سے واپس لے سکیں۔ حالانکہ سب کے سامنے وہ گاڑیاں لئے پھرتے ہیں۔

زینکا سے تین میل شمال پوڈ بریجی (Podbrezji) کے قصبہ میں چار منزلہ جس عمارت میں مجاہدین مقیم ہیں وہ کبھی ایک فیکٹری تھی۔ اب اس میں بوسنیا کا امریکی سیکٹر قائم ہوتا ہے۔ یہ مجاہدین جنگ شروع ہونے کے جلد ہی بعد یہاں آ گئے تھے۔ عرب دنیا میں ان کا بے حد احترام ہے۔ ان کی بہادری اور شجاعت پر مبنی کیسٹ عدن سے لے کر قاہرہ تک گلی گلی فروخت ہو رہے ہیں۔ مجاہدین نے بوسنیا کی فوج کو بڑا حوصلہ دیا تھا اور سربوں اور کروٹوں کے خلاف محاذ پر انہوں نے بہت سی جانیں دی ہیں۔ ۲۰ ہزار فوجی سپاہی اگرچہ نیٹو کے تحت تعینات کئے جا رہے ہیں لیکن مجاہدین مغرب کو اسلام دشمن قرار دیتے ہیں انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اپنے دفاع میں جانیں قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔

سبز رنگ کے جنگی لباس میں ملبوس خلیج کے عرب لہجے میں باتیں کرتے ہوئے ایک جنگجو کہہ رہا تھا کہ امریکی سپاہی بھی یو۔ این۔ او کے سپاہیوں کی طرح یہاں کے مسلمانوں کو خراب کریں گے' منشیات اور بدکاری پھیلائیں گے۔ بوسنیا کے مسلمانوں میں اس وقت صحیح اسلامی جذبہ بیدار ہوا ہے' ہم کسی قیمت پر امریکیوں کے ہاتھوں اس جذبے کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

مجاہدین کا یہ کیمپ بوسنیا میں موجود ۱۰ کیمپوں میں سے ایک ہے۔ اس کیمپ کے قریب رہنے والے کروٹ کیتھولک بری طرح خوف و ہراس میں مبتلا رہتے ہیں۔ مجاہدین کے ہاتھوں اکثر انہیں مار کھانی پڑتی ہے۔ اس قصبے کے آدھے سے زیادہ کیتھولک کاشت کاروں کو مجاہدین نے ان کے گھروں سے نکال کر خود قبضہ جما لیا ہے۔ حال ہی میں ایک شام جازوملانووک (Jazo Milanovic) اور اس کی بیوی "Ivka" لکڑی سے جلنے والی انگیٹھی کے ساتھ لگ کر بیٹھے پولیس کا انتظار کر رہے تھے اور پڑوس میں رہنے والے مجاہدین ان کا گھر خالی کرنے میں مصروف تھے۔ جب تک پولیس آئے گی گھر خالی ہو چکا ہو گا۔ ۶۸ سالہ کسان بتا رہا تھا کہ یہ لوگ آتے ہیں اور جس شے کی ضرورت ہوتی ہے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے روکنا چاہا تو گولیوں کی بوچھاڑ میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ اب بھی دیواروں میں گولیوں کے نشان موجود ہیں۔ یہی حال رہا تو ہمارا یہاں رہنا دشوار ہے۔

مجاہدین کے علاوہ مسلمانوں کے ۱۰ کے قریب خیراتی ادارے زینکا میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ایرانی حکومت کا ہے جسے بیشتر مغربی حکومتیں شک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ان اداروں کے پاس لاکھوں ڈالر آتے ہیں جن سے بوسنیا میں جنگی کارروائیاں جڑ پکڑ رہی ہیں۔ انہیں اداروں میں ایک مصر کا "ہیومن ریلیف انٹرنیشنل" ہے جس پر مصر میں پابندی عائد ہے۔

(دی نیویارک ٹائمز انٹرنیشنل' ۳/ دسمبر ۱۹۹۵ء)

واشنگٹن۔ دسمبر ۸' امریکہ نے کل بوسنیا کی مسلم حکومت پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایرانی اور افغان مجاہدین فوراً وہاں سے نکالے جائیں تاکہ امن معاہدہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

# ایم کیو ایم اپنا ہی بویا کاٹ رہی ہے!

## اپنے سے زیادہ طاقتور کو آلہ کار بنانا خطرناک نتائج کا حامل ہوتا ہے!!

## سندھ کی لسانی تنظیموں کی سرپرستی کا سہرا کس کے سر ہے؟

## شہری علاقوں کی ایک لسانی تنظیم نے نواز شریف دور میں خوب فائدے اٹھائے

## سندھ میں فوجی آپریشن سے اس اہم قومی ادارہ کا احترام کم ہوا ہے

## الطاف حسین شہری آبادی کے حقوق اور مطالبات کو منوانے کے لئے سیاسی مہم چلائیں!

**سندھ اور کراچی کے حالات کے پس منظر میں لکھی گئی مولانا سید وصی مظہر ندوی کی ایک اہم تحریر**

عربی زبان کے مشہور شاعر احمد ابوالطیب المتنبی کو عربی زبان و ادب کے بعض ناقدین وہی درجہ دیتے ہیں جو اردو ادب میں اسد اللہ خان غالب کو حاصل ہے۔ متنبی کا دیوان تمام اصناف سخن میں نہایت اعلیٰ نمونوں کا حسین مجموعہ ہے چنانچہ عربی ادب کی ایک مخصوص صنف یعنی "حکم و امثال" میں بھی اس کے اشعار حکیمانہ نکتوں' ضرب الامثال اور قیمتی تجربوں کا مخزن نظر آتے ہیں۔ اس طرح کے ایک شعر میں وہ اجتماعی اور انفرادی زندگی میں بار بار دہرائی جانے والی ایک غلطی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

ومن یجعل الضرغام بازا لصیدہ
تصیدہ الضرغام فیما تصیدا

جو شخص شیر کو باز کی طرح اپنے شکار میں استعمال کرے گا (تو اس نادان کو معلوم ہونا چاہئے) کہ ایک دن شیر خود اس شخص کو بھی اپنا شکار بنا کر رہے گا۔

اس شعر میں تجربہ اور حکمت کی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے سے زیادہ طاقتور کو اپنا آلۂ کار نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ زیادہ طاقتور ایک دن خود اس آلہ کار بنانے والے ہی کو دبوچ لے گا۔

تاریخ کے صفحات' انسانی معاشروں اور انفرادی معاملات میں اس حکیمانہ بات کی سچائی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں بلکہ ہر شخص اس نکتے کو مبنی برحقیقت سمجھتا ہے۔ اس کے باوجود بالعموم انسان مختلف شکلوں میں بار بار اسی غلطی کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔ خود پاکستان کی مختصر تاریخ کے اندر اس کی بے شمار مثالیں مل جائیں گی مگر میں اختصار کی خاطر ماضی بعید کے چند واقعات اجمال کے ساتھ اور ماضی قریب کے چند واقعات قدرے تفصیل سے پیش کروں گا۔ مگر اس داستان میں بعض بڑے تلخ حقائق بیان کرنے پڑیں گے اس لئے تلخ نوائی پر پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

سیاست دان اور افسر شاہی: قیام پاکستان کے تھوڑے ہی عرصے بعد سیاست دانوں کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے جب پنجاب' سرحد اور سندھ میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات نئے سرے سے منعقد کرنے پڑے تو برسر اقتدار گروپ نے اپنی کامیابی کے لئے بیوروکریسی کو دھڑلے سے استعمال کیا۔ بیوروکریسی نے جعل سازی' جھرلو' لالچ اور دھمکی کے تمام ذرائع اختیار کر کے برسر اقتدار طبقے کو جتا دیا۔ اپوزیشن کو دبانے کے لئے بیوروکریسی کی یہ کارکردگی بہت اچھی نظر آئی چنانچہ ایک وقت وہ آیا جب سیاست دان پوری طرح بیوروکریسی کے محتاج ہو گئے اور بیوروکریسی نے ان کو باہم لڑا لڑا کر تھکا مارا۔ اس مرحلے پر پہنچ کر ملک غلام محمد کی نام نہاد سربراہی میں بیوروکریسی نے ملک کے مکمل نظام ہی کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔

پھر جب سیاستدانوں اور بیوروکریسی نے فوج کو اپنی مدد کے لئے بار بار بلایا اور جب سکندر مرزا نے اپنے تخت صدارت بری افواج کے سربراہ جنرل محمد ایوب کے ذریعے بچانا اور مستحکم کرنا چاہا تو جنرل محمد ایوب خان نے اقتدار کو خود اپنے ہاتھ میں لینے اور سکندر مرزا کو نکال باہر کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔

جنرل محمد ضیاء الحق اور امریکہ: جنرل محمد ضیاء الحق نے افغانستان پر روسی جارحیت کو روکنے کے کام میں امریکہ کو خوب خوب استعمال کیا (یہ رائے رکھنے کی بھی پوری طرح گنجائش موجود ہے کہ امریکہ بہادر نے جنرل صاحب کو خوب خوب استعمال کیا۔۔ ادارہ) بڑے اطمینان کے ساتھ طویل مدت تک اپنی فوجی حکومت کامیابی سے چلاتے رہے۔ افواج پاکستان کے لئے ہتھیار' پاکستان کی ضرورت کے لئے قرضے اور افغان مہاجرین کی امداد کے لئے اربوں ڈالر کا سامان سب کچھ پاکستان کو فراخ دلی سے ملتا رہا۔ صدر امریکہ خود بڑے "شرح صدر" کے ساتھ کانگریس کو اپنے

دستخطوں سے یہ سرٹیفکیٹ بھی فراہم کرتے رہے کہ پاکستان جوہری ہتھیار نہیں بنا رہا ہے۔ افغانستان میں مرحوم صدر نے روس کے خلاف کامیاب جنگ بھی لڑی اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ امریکہ کو پاکستان اور اسلام کے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں مگر جب افغان مجاہدوں کی قربانیوں سے روس کی کمر معیشت ٹوٹ گئی۔ وسط ایشیاء کے مسلم ممالک آزاد ہونے لگے اور افغانستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہونے کے آثار دکھائی دینے لگے تو امریکہ نے خود جنرل ضیاء الحق کے نامزد وزیر اعظم سے کام لے کر جنیوا معاہدہ کروادیا۔ اس طرح روس کو افغانستان سے باعزت نکلنے کا موقعہ ہاتھ آگیا اور مجاہدین کی عبوری حکومت کو اقتدار حوالے کر کے جانے کے بجائے وہ اپنے پٹھو ڈاکٹر نجیب اللہ کو کابل پر بدستور مسلط چھوڑ کر چلا گیا۔ لیکن جنرل محمد ضیاء الحق جب اس پر بھی نہ مانے اور اپنے وزیر اعظم ہی کو برطرف کر کے ایک بار پھر مختار کل بننے کی کوشش کرنے لگے تو چند ماہ کے اندر ان کی ڈور اس طرح کھینچ لی گئی کہ ان کے ساتھ خود امریکہ کے دو اہم آدمی بھی راہی ملک عدم ہو گئے۔ مگر امریکہ نے پھر بھی اطمینان کا سانس نہ لیا۔

## سندھ کی لسانی تنظیمیں اور غیر مرئی قوتیں

اسی طرح سندھ میں لسانی نعرے لگانے والی بعض تنظیمیں جن کے متعلق باور کیا جاتا تھا کہ وہ بھارت کی تائید اور "را" کی منصوبہ بندی کے مطابق سرگرم عمل ہیں اور اسی وجہ سے وہ پاکستانی عوام میں کبھی مقبولیت حاصل نہ کر سکی تھیں' ان کے بارے میں کسی "بااثر" ادارے میں یہ سوچ پیدا ہوئی کہ کیوں نہ ان تنظیموں کو بھارت اور "را" کے چنگل سے چھڑا کر ان کی سرپرستی کی جائے تاکہ یہ تنظیمیں بھارت کے بجائے اس ادارہ کی آلہ کار بن جائیں اور اپنے اپنے لسانی گروہوں میں ان کو اتنی مقبولیت حاصل ہو جائے کہ الیکشن کی نوبت جب بھی آئے تو قومی جماعتوں ---- مسلم لیگ' پیپلزپارٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ --- کے بجائے یہ لسانی تنظیمیں کامیاب ہوں' علاوہ ازیں اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ان تنظیموں کے باہمی تصادم اور تضاد کے باعث عوام ایک "غیر جانبدار تیسری طاقت" کی مداخلت کے لئے ذہنی طور پر ہمیشہ تیار رہیں گے۔

انہی "نیک مقاصد" کے لئے ان تنظیموں کے رہنماؤں سے رابطے استوار کئے گئے۔ ان کو کامیابی اور مقبولیت حاصل کرنے کے گر سکھائے گئے۔ ان کی دل کھول کر مالی مدد کی گئی آتشیں اسلحہ فراہم کیا گیا اور اس کے استعمال کے لئے کمانڈو ٹریننگ بھی دی گئی' پھر ان جماعتوں کو مقبول بنانے کے لئے چھوٹے بڑے کئی خونی ڈرامے بھی کھیلے گئے' جن میں سہراب گوٹھ سے گزرنے والے ایک جلوس پر فائرنگ' حیدر آباد میں پکے قلعہ کے جلسے میں شریک لوگوں پر فائرنگ' جھوٹے اور بے بنیاد الزامات میں بعض لوگوں کو لیڈر بنانے کے لئے ان کی گرفتاری' کورنگی میں تین روزہ قتل عام' جس میں بعض انسانوں کو زندہ بھی جلا ڈالا گیا۔ ۳۰ ستمبر ۸۸ء کو حیدر آباد میں دو سو سے زائد انسانوں کا قتل عام اور بظاہر اس کے جواب کے طور پر یکم اکتوبر کو کراچی میں دوسرے لسانی گروہ کا بے دردانہ قتل جیسے لرزہ خیز واقعات شامل ہیں۔

> "جام صادق نے کہا کوٹری والے تین دن نہیں تین مہینے ہڑتال کریں مجھے پرواہ نہیں البتہ ڈاکوؤں کو ختم کرنا میرا فرض ہے.... اور ایک سی ایس پی افسر نے کہا کہ ندوی صاحب! کیا فرق پڑتا ہے کہ ڈاکو کہیں بھی مار دیا جائے اچھا ہی ہے!"

ان تیز رفتار اور گہرے اثرات چھوڑنے والے واقعات کا' جن کے پیچھے زبردست منصوبہ بندی کام کر رہی تھی --- نتیجہ یہ نکلا--- آبادی کے مختلف طبقات عدم تحفظ میں مبتلا ہو گئے۔ برسوں سے ساتھ رہنے والے پڑوسیوں اور دینی بھائیوں سے خوف آنے لگا۔ اس صورت حال کا براہ راست فائدہ لسانی تنظیموں کو ہوا۔ چنانچہ منصوبہ سازوں کی مرضی کے مطابق یہ لسانی تنظیمیں اپنے اپنے گروہوں کی آنکھوں کا تارا بن گئیں۔

ان حالات میں پہلے حیدر آباد اور کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں' پھر ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں شہری علاقوں میں ایک لسانی تنظیم کو وہ کامیابی حاصل ہوئی کہ تمام قومی جماعتیں اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔ البتہ دیہی علاقوں میں اصل منصوبے کے مطابق نتائج نہ نکل سکے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سندھ کے دیہی علاقوں میں پیپلزپارٹی نے خود کو ایک زیادہ موثر لسانی تنظیم کی حیثیت سے پیش کیا۔ پیپلزپارٹی کا ماضی بھی سندھی عوام کو اس کے لسانی تنظیم ہونے کا یقین دلانے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ لسانی شعور رکھنے والے سندھی عوام نے مقامی لسانی تنظیموں کو اپنے مقاصد کے لئے زیادہ مفید نہ سمجھا اور ان کی جگہ پیپلزپارٹی کو' جس کے برسر اقتدار آنے کا امکان بھی زیادہ تھا' ووٹ دے کر کامیاب ہونے کو ترجیح دی۔

بہرحال شہری علاقوں کے انتخابی نتائج کی بنیاد پر یہ شہری لسانی تنظیم شہروں کی نمائندہ جماعت بن کر ابھری مگر غیر مشروط طور پر پیپلزپارٹی کے ساتھ ہو گئی۔ چنانچہ اپنے پہلے دور حکومت میں پیپلزپارٹی نے اس لسانی پارٹی کی مدد سے اقتدار حاصل تو کر لیا مگر اس تنظیم کو بس صوبائی اقتدار میں تھوڑا سا حصہ دے کر اس کو باہمی معاہدے کی طویل گفتگو میں الجھانے کے بعد اس سے ایک بے معنی طویل معاہدہ کروا لیا گیا' جس میں فائدے کی جو باتیں تھیں وہ بھی پیپلزپارٹی کے لئے تھیں۔ لیکن پیپلزپارٹی کے پہلے دور اقتدار کے خاتمے کے بعد جب نواز شریف وزیر اعظم بنے اور سندھ میں جام صادق علی کی حکومت قائم ہوئی تو اس لسانی تنظیم کو خوب خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ صوبے کے اقتدار میں بھی حصہ ملا اور مرکز میں چنانچہ اس تنظیم نے اپنے دستوری و قانونی اختیارات سے بھی آگے بڑھ کر اپنی اسٹریٹ پاور کے بل پر لامحدود اختیارات حاصل کئے۔ تھانے اور مجسٹریٹ ان کے حکم کے منتظر رہتے' اخبارات کے سینوں پر ان کا "کابوس" سوار رہتا اور ان کے ریونیو کے ذرائع حکومت کے ریونیو سے الگ ہونے کے باوجود حکومت سے کم نہ تھے۔

رضاکارانہ چندہ' جبری چندہ' قربانی کی کھالوں کی چھین جھپٹ' مختلف قسم کے بھتے' کنسٹرکشن کمپنیوں سے کمیشن' صنعتی اداروں میں کام جاری رکھنے کی اجازت دینے کا معقول معاوضہ' موٹر سائیکلوں اور کاروں کی چوری اور پھر بازیابی کے لئے تنظیم کے فنڈ میں چندہ "قیمتی انسانوں" کا اغوا اور ان کی رہائی کے لئے تاوان کی وصولی اور جب ضرورت پڑ جائے تو بینکوں' سرکاری تنخواہوں اور بڑے سرمایہ داروں کے گھروں پر ڈاکے۔ یہ سارے ذرائع آمدنی اس تنظیم کی دسترس میں تھے۔

لیکن قانون کی یہ حرمتی تمام قانون نافذ کرنے والے اداروں کی موجودگی میں کس طرح ہوئی؟ اس

سوال کا جواب ایک واقعہ سے ملتا ہے جو مجھے ایک ذمہ دار شخص نے بتایا کہ "اس کے بھائی کو ایک ادارے نے بنگلہ' کار اور کلاشنکوف مہیا کر کے ایک بینک دکھایا اور کہا تم اپنی تحریک چلانے کے لئے سرمایہ داروں کا پیسہ لوٹ کر لاؤ "ہم" قریب موجود رہیں گے اور تم کو تحفظ دیں گے۔ چنانچہ بھائی نے ڈاکہ ڈالا مگر صرف تین لاکھ روپے ہاتھ آئے۔ بھائی ابھی یہ مال لے کر بنگلے پر پہنچا ہی تھا کہ اس "ادارے" کے نمائندے آ گئے اور ڈاکے کی رقم میں سے اپنا حصہ وصول کر کے نصیحت کی کہ آئندہ زیادہ بڑے ڈاکے ڈالو"۔

کوئی اقرار کرے یا نہ کرے مگر سب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں مجرموں کو پولیس گرفتار کرتی لیکن ایک زیادہ طاقتور ادارہ ان کو بے گناہ قرار دے کر رہا کرا دیتا۔

خیر قصہ کوتاہ' اس شہری تنظیم کی لے اتنی بڑھی کہ انہوں نے "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" کے مصداق ایک فوجی افسر اور تین جوانوں کو پکڑ لیا ان کی وردی اتار کر ان کو بے عزت کیا مگر ہمارے تمغہ جمہوریت والے چیف آف دی آرمی اسٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ نے جب اس سنگین واقعہ کی رپورٹ متعلقہ تھانے میں درج کرانے کی کوشش کی تو ناکام رہے۔ ناکامی کے بعد انہوں نے صدر مملکت سے فریاد کی۔ چنانچہ جناب صدر کی مداخلت پر F.I.R. تو درج ہو گئی لیکن نامزد ملزمان کے نام مبہم لکھے گئے تاکہ ان ناقص ناموں سے اصلی مجرموں کی شناخت ممکن نہ ہو سکے۔

یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کراچی میں دو متحارب تنظیموں نے ایک دوسرے کے آدمی پکڑ کر قیدی بنا رکھے۔ آخر کور کمانڈر جناب آصف نواز کی زیر نگرانی دونوں طرف کے قیدیوں کا تبادلہ عمل میں آیا۔

بہرحال فوج کے اہل کاروں کے ساتھ اس تنظیم کا معاملہ اس صورت حال کا کلائمکس ثابت ہوا اور اب آج تک اس صورت حال کا اینٹی کلائمکس جاری ہے۔ دیکھئے کس نقطے پر پہنچ کر رکے!!

**ڈاکو کلچر کا فروغ** : دوسری طرف دیہی علاقوں میں جن افراد اور تنظیموں کو اسلحہ اور دیگر وسائل فراہم کئے گئے وہ پیپلز پارٹی کی ان علاقوں میں مقبولیت کے باعث الیکشن میں کوئی کارکردگی تو نہ دکھا سکے۔ چنانچہ بڑے بڑے قوم پرست رہنما الیکشن میں ڈھیر ہو گئے۔ مگر ان لوگوں نے اس اسلحہ اور ان وسائل کو اندرون سندھ "ڈاکو کلچر" کے فروغ میں استعمال کیا۔ چنانچہ سندھ میں وہ وقت آیا کہ ڈاکو کھلم کھلا زمینداروں' تاجروں اور صنعت کاروں کے نام پرچے بھیجنے لگے "بوسکی کے پلکے (پگڑیاں) راڈو گھڑیاں اور نقد رقم مقررہ تاریخ تک فراہم کر دی جائے ورنہ جان کی خیر نہیں" جانوروں کی رسہ گیری اور جانوروں کے مالکوں سے بھنگ (تاوان) کی وصولی کو ان ڈاکوؤں نے پرانا طریقہ قرار دے کر ترک کر دیا اور چوپائے جانوروں کے بجائے دو ٹانگوں والے جانور یعنی حضرت انسان کو اغوا کرنا شروع کر دیا کیونکہ یہ جانور مقتل یا قید خانے کی طرف خود اپنے پیروں پر چل کر جانے کے لئے باسانی تیار ہو جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سندھ کی اہم شاہراہیں ویران ہو گئیں۔ لوگوں نے رات کا سفر ترک کر دیا اور دن میں بھی سفر کا نوائے کے ساتھ کیا جانے لگا۔ دیہی علاقوں کے لوگوں نے بھاگ بھاگ کر شہروں بالخصوص کراچی میں پناہ لی۔

آخر کار فوج کو ان ڈاکوؤں کے خلاف زبردست آپریشن کی مہم چلانی پڑی۔ فوج کے جوانوں کی جانفشانی اور قربانی سے ڈاکوؤں کا مسئلہ تو بڑی حد تک حل ہو گیا مگر اس آپریشن میں کئی جگہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پیسے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فوجی افسر کے خلاف کورٹ مارشل کی نوبت بھی آئی اور چند بے گناہ مارے جانے والوں کی آڑ میں بعض قوم پرست تنظیموں نے ڈاکوؤں کو قومی ہیرو بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ڈاکوؤں کے خلاف کارروائی کو "پنجابی" فوج کا ظلم قرار دے ڈالا۔

جب دیہی علاقوں میں ڈاکوؤں کا آزار بڑی حد تک ختم ہو گیا تو اب شہروں کی باری آئی مگر یہاں کے مسلح گروپوں کے خلاف کارروائی میں کئی مشکلات حائل تھیں مثلاً (۱) وہ ایسی گنجان آبادیوں میں رہتے تھے جن کے مکین ان کی اصل حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے واضح طور پر ان کے ساتھ زبردست ہمدردی رکھتے تھے۔ اس حالت میں ان کا ہاتھ آنا مشکل تھا۔ (۲) ان کا سیاسی بازو انتخابات میں بے مثال کامیابی حاصل کر کے اپنی نمائندگی کے حق کو منوا چکا تھا۔

**شہری تشدد پسندوں کا علاج** : اس صورت حال کا علاج یہ سوچا گیا کہ انہی مسلح افراد میں سے کچھ کو اپنا آلہ کار بنا کر دوسروں کو ان کے ذریعہ پکڑا اور ختم کیا جائے۔ چنانچہ تشدد اور دہشت گردی کے سلسلہ میں بدنام بعض لوگوں کی قیادت میں شہروں میں فوجی آپریشن شروع ہوا لیکن اکثر دہشت گرد یا تو زیر زمین چلے گئے یا بیرون ملک فرار ہو گئے۔ فوجی آپریشن میں صرف چند "ویران ٹارچر سیل" ہاتھ آئے یا کچھ دفاتر پر قبضہ کر لیا گیا اور دہشت گردوں نے دوسرے دہشت گردوں کو اپنے علاقوں میں مداخلت کرنے سے روکنے کے لئے جو حفاظتی دروازے پبلک کے چندوں سے بنائے تھے ان کو منہدم کر دیا گیا مگر کھلی اور عام عدالتوں میں کسی شخص سے جرائم ثابت کر کے اس کو سزا دلانے میں کوئی کامیابی نہ ہوئی بلکہ شاید اس کا اہتمام بھی نہ کیا گیا۔

اس کا ایک بہت برا نتیجہ تو یہ نکلا کہ عوام نے جب یہ دیکھا کہ تشدد کے بعض مجرموں ہی کے ذریعے کچھ دوسرے تشدد کرنے والوں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے تو انہوں نے اس کارروائی کو تشدد پسندوں کے خلاف کارروائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ فوج کے اس اقدام کو انہوں نے اپنے لسانی گروہ کے خلاف ایک سازش تصور کیا چنانچہ اس لسانی تنظیم کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی۔

اس کا دوسرا برا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج نے دستور کی متعلق دفعہ 245 کے تحت جلد از جلد کارروائی کر کے اپنی بیرکوں میں واپس جانے کے بجائے' وہ دستور کی انتہائی غیر متعلق دفعہ کے تحت صوبائی حکومت سے پولیس کے اختیارات لے کر میدان میں اتری۔ ان اختیارات کے تحت اس کو صرف گرفتاری' تفتیش اور تلاشی وغیرہ کے اختیارات تھے' جو پولیس کے اختیارات ہیں۔ پھر جب فوج کو طویل مدت تک

**"اس تنظیم نے اپنے دستوری و قانونی اختیارات سے بھی آگے بڑھ کر اپنی اسٹریٹ پاور کے بل پر لامحدود اختیارات حاصل کر لئے' تھانے اور مجسٹریٹ ان کے نام کے منتظر رہتے' اخبارات کے سینوں پر ان کا "کاپوس" سوار رہتا اور ان کے ریونیو کے ذرائع حکومت کے ریونیو سے الگ ہونے کا باوجود حکومت سے کم نہ تھے"**

پولیس ہی کے اختیارات دے کر عوام کے ساتھ رکھا گیا تو فوج میں پولیس والی عادتیں اور خصلتیں پیدا ہونے لگیں۔

اس کا تیسرا برا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل کراچی و حیدر آباد فوج کی وطن دوستی اور اس کے اسلامی جذبے کی بنا پر اس سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ان کی رائے فوج کے بارے میں یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی اور غالباً دشمن کا مقصد بھی یہی تھا کہ پاکستان کے نظریاتی محافظ عوام اور سرحدوں کی محافظ فوج میں وسیع خلیج پیدا ہو جائے تاکہ یہ ملک کبھی اسلام کا گہوارہ اور عالم اسلام کے اتحاد کا علمبردار نہ بن سکے۔

حکومت' پولیس اور رینجرز : اب صورت حال کا ایک اور بھیانک رخ پیش کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں۔ کیونکہ اپنے سے زیادہ طاقتور کو آلہ کار بنانے کی غلطی یہاں بھی کی جا رہی ہے اور اس کے نتائج بھی بھیانک ہی ظاہر ہوں گے۔

وہ رخ یہ ہے کہ جام صادق علی صاحب جو پولیس مقابلوں میں "حروں" کو مارنے کے سلسلہ میں خاصی شہرت کے حامل تھے' انہوں نے سندھ کا وزیر اعلیٰ بننے کے بعد یہی ڈرامہ پھر شروع کرا دیا۔

ایک صدر بار پاکستان غلام اسحاق خان کراچی کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات کے لئے ممتاز احباب کے ساتھ راقم کو بھی مدعو کر لیا گیا تھا۔ میں نے اس بھری مجلس میں بتایا کہ کوٹری شہر کے عوام نے اس الزام کی بنا پر ۳ یوم کی ہڑتال کر رکھی ہے کہ کوٹری میں پولیس نے تین آدمیوں کو تھانے میں قتل کر کے ان کو پولیس مقابلے میں مارے جانے والا قرار دے دیا ہے۔ میں نے مطالبہ کیا کہ اس الزام کی تحقیق ہونی چاہئے۔ مگر صدر صاحب کے بولنے سے قبل ہی جام صادق صاحب بولے "کوٹری والے تین دن نہیں تین مہینہ ہڑتال کریں مجھے پرواہ نہیں البتہ ڈاکوؤں کو ختم کرنا میرا فرض ہے" پھر ایک پرانے ریٹائرڈ سی۔ ایس۔ پی افسر بولے "ندوی صاحب! کیا فرق پڑتا ہے ڈاکو کہیں بھی مار دیا جائے' اچھا ہی ہے" جام صادق صاحب کے دور میں اس نسخہ کیمیا پر عمل میں تو تھوڑا ہی اضافہ ہوا تھا مگر جام صادق کے بعد اب کیمیا بنانے کا یہ نسخہ ہمارے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کے ہاتھ لگ گیا ہے چنانچہ اب ہتھکڑی میں بندھے ہوئے گرفتار شدگان بھی پولیس مقابلے میں مارے جا رہے ہیں۔

میں انسانیت کے نام پر خود پیپلزپارٹی کے لیڈروں کے مفاد میں پوچھتا ہوں کہ جس پولیس کو آپ اتنے بڑے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے پر لگا رہے ہیں' اس پولیس کے دل میں آپ کا' قانون کا' اور ملک کا بھلا کیا احترام اور کیا وقار باقی رہے گا اور وہ کیوں نہ اپنے مفاد کے لئے اپنے اختیارات اور قانون کا بیدردانہ اور ناجائز استعمال کرے گی۔ پھر آپ کے اندر وہ اخلاقی جراءت کہاں سے آئے گی کہ آپ پولیس کے ان اہل کاروں کو قانون کے مطابق کام کرنے پر مجبور کر سکیں جن سے آپ خود جرائم کراتے رہے ہیں اور کیا وقت آنے پر یہی پولیس کے اہل کار خود آپ کے ساتھ وہی کچھ نہیں کریں گے جو کام آپ آج اپنے مخالفوں کے خلاف ان کے ذریعہ انجام دے رہے ہیں!!۔

## لسانی جماعت اور اس کا بازوئے "شمشیرزن"

شہری لسانی جماعت کے رہنماؤں سے قریبی تعلقات سے مجھ کو جب اس تنظیم کے داخلی حالات کا علم ہوا تو میں اس کے وجود کو سخت خطرناک سمجھنے لگا تھا اس کے باوجود میں اس تنظیم کے سیاسی رہنماؤں کے کمزور پڑ جانے کو پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ یہ سیاسی قیادت اپنے مسلح کارکنوں کو کسی نہ کسی حد تک ضابطے میں تو رکھ سکتی تھی۔ سیاسی قیادت کے کمزور پڑنے کا لازمی نتیجہ مسلح کارکنوں کی خود مختاری اور من مانی کرنے کی آزادی کی صورت میں نکلتا تھا۔ چنانچہ میں نے تقریباً ڈھائی سال قبل اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ اس تنظیم کے "بازوئے شمشیرزن" پر سے جب کبھی اس کی سیاسی قیادت کا تنظیمی دباؤ ختم ہوا یا کم ہوا تو یہ مسلح افراد اپنی اپنی الگ ٹولیاں بنا لیں گے۔ تھانے اور پولیس اہل کار ان کی سرپرستی کریں گے اور پھر یہ گروہ وہ تباہی مچائیں گے جس کا اندازہ لگانا مشکل اور جس کو ختم کرنا انتہائی دشوار ہو گا۔

اس مضمون میں جس خطرے کی نشاندہی کی گئی تھی وہ اب عملاً واقع ہو چکا ہے چنانچہ تنظیم کی سیاسی قیادت کی طرف سے ممانعت اور اس قسم کے کام سے انکار کے باوجود جبری چندے' بھتے' کمیشن' چوری شدہ گاڑیوں کی بازیابی کے لئے معاوضے' حد تو یہ ہے کہ قتل چوری اور ڈاکوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ سب کام آخر کون کر رہا ہے؟ تنظیمی دباؤ سے آزاد ہو جانے والے مسلح گروہ ہی کر رہے ہیں۔ اخبارات میں ان سرگرمیوں کا 1/10 حصہ بھی رپورٹ نہیں ہو پاتا کیونکہ عوام جن پر بیت رہی ہے وہ نہ پولیس میں رپورٹ درج کرانے کی ہمت رکھتے ہیں' نہ پریس کو خبر دینے کی۔ لیکن باہمی گفتگو میں ہر شخص اپنا اپنا رونا روتا ہے۔ انہی حرکتوں کی وجہ سے کراچی کا انتہائی پررونق روشنیوں کا شہر ویران ہو گیا ہے۔ بعد عشاء نئی حسن روڈ پر جانے کا تازہ تازہ اتفاق ہوا' تمام شادی ہال ویران اور سنسان پڑے تھے' یہ وہ ہال ہیں جہاں بکنگ کے لئے خالی تاریخ ملنا دشوار ہو جاتا تھا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اول تو لوگوں میں شادی اور تقریب کی ہمت ہی ختم ہو گئی اور اب تو شادیاں چھپ چھپ کر گھروں میں ہو رہی ہیں کیونکہ لڑکوں کی شادی میں ۱۰ سے ۵۰ ہزار تک اور لڑکیوں کی شادی میں اس کا نصف ان مسلح ٹولیوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ حد ہے کہ یہ لوگ کارکنوں کے نام پر پکی پکائی دیگیں اٹھالے جاتے ہیں۔ جائیدادوں کی خرید و فروخت پر ان کی رقوم بندھی ہوئی ہیں۔ مالک جائیداد اور ٹھیکیدار کو پکڑ کر لے جایا جاتا ہے اور ان سے من مانا جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔

بڑی کنسٹرکشن کمپنیوں کو بکنگ پر' سرکاری قرضوں کا چیک ملنے پر ان کو حصہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ مقدمات میں ہارنے والے فریق ان کو خوش کر کے مخالف فریق کو مقدمہ واپس لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ دوکانوں اور مکانوں پر پیسے لے کر ناجائز قبضے کروائے جاتے ہیں اور مالکان ان کی مدد سے کرایہ داروں سے اپنی جائیدادیں باسانی خالی کرا لیتے ہیں۔ تمام کارخانے دار اپنا کارخانہ چلانے کے لئے' تمام دوکاندار اپنا کاروبار جاری رکھنے کے لئے ان کو تاوان دینے پر مجبور ہیں اور جب موقعہ ملتا ہے تو بڑے بڑے ڈاکے ڈالنے کا کام بھی انجام دیدیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارے وزیر داخلہ جو ریٹائرڈ جنرل ہونے کے بعد اب دوبارہ غالباً حاضر سروس جنرل بنا دیئے گئے ہیں' وزیر داخلہ کی حیثیت سے ان کے اشتعال انگیز بیانات اور پیپلزپارٹی کے متعصبانہ اقدامات کی وجہ سے عوام ان تمام مظالم کو بھگتنے اور ان تمام برائیوں کو جاننے کے باوجود انہی ظالم ٹولیوں کی بالواسطہ حمایت و تائید کر رہے ہیں کیونکہ پیپلزپارٹی کی حکومت ایک طرف تشدد کے خاتمے کے نام پر نوجوانوں کو کھلم کھلا قتل کر رہی ہے۔ شہری آبادی کو محاصروں اور غیر اعلان شدہ کرفیو میں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔ ناجائز گرفتاریوں کا اور ان سے رہائی کے لئے رشوتوں کا بازار گرم ہے۔ دوسری طرف سرکاری دفاتر اور حکومتی اداروں میں شہری آبادی کی نمائندگی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ ضلعی انتظامیہ میں' پولیس میں' عدالتوں میں' سکریٹریٹ میں' اب شہری آبادی کے لوگوں کو ملازمت ملنا قریب قریب ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ کوٹہ سسٹم کے تحت ملازمت دینے کی جو پابندی ہے اس کا

علاج یہ کیا گیا ہے کہ باضابطہ طور پر بھرتی پر پابندی لگا کر من پسند آدمیوں کی تقرری کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے۔ ریٹائرڈ افسران کو کنٹریکٹ پر رکھ کر یا مدت ملازمت میں توسیع کر کے حقداروں کی ترقی کی راہ روک دی جاتی ہے۔

بلدیاتی انتخابات کو مسلسل موخر کر کے ان اداروں پر جیالے ایڈمنسٹریٹر مسلط کر دیئے گئے ہیں جو تمام وسائل کو لوٹ رہے ہیں۔ بلدیاتی شہری جائیدادوں کو بے دردی کے ساتھ ٹھکانے لگایا جا رہا ہے۔ ملیر ضلع کی تشکیل نے حکومت کے چہرے سے غیر جانبداری کا نقاب نوچ لیا ہے۔ ادارۂ ترقیات حیدر آباد سے گلشن شہباز چھین کر ادارہ ترقیات سہون کو دے دیا گیا ہے کوٹہ سسٹم کو ختم کرنے کی بات بھی اس لئے کی جا رہی کہ اب کوٹے کے مطابق صوبائی ملازمتوں میں شہری آبادی کو ۴۰ فیصد اور وفاقی ملازمتوں میں ساڑھے نو فیصد حصہ بھی کیوں دیا جائے۔

تعلیمی اداروں میں دھاندلیوں کی حد کر دی گئی ہے۔ سندھ کے چار ثانوی تعلیمی بورڈوں کے اعلیٰ افسران اور ملازمین میں شہری نمائندگی برائے نام ہے۔ امتحانی نتائج میں رشوت اور بے ایمانی کا دور دورہ ہے۔ میڈیکل کالجوں اور فنی اداروں میں شہری طلبہ کو داخلے سے محروم رکھنے کے لئے نت نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں چنانچہ کراچی کے میڈیکل کالجوں میں داخلے کا کوٹہ ضلعی بنیادوں پر مقرر کیا جا رہا ہے اور تمام میڈیکل کالجوں کا الحاق لاڑکانہ سے کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

دہشت گردی کے خلاف یا..... : مذکورہ بالا اور ان جیسے دیگر لاتعداد متعصبانہ اقدامات کی وجہ سے شہری آبادی یہ سمجھنے پر مجبور کر دی گئی ہے کہ اصل میں تو حکومت کی مہم اس شہری آبادی کے خلاف ہے جو ماضی میں پاکستان کے اندر اسلام اور جمہوریت اور نظریہ پاکستان کی محافظ رہی ہے چنانچہ اس آبادی کے اسی جرم کی بنا پر کہیں "اوپر" سے متعصب حکمرانوں کو ہر قسم کے مظالم ڈھانے کا اشارہ ملا ہوا ہے۔

جناب کمال اظفر کے گورنر مقرر کئے جانے کے فوراً بعد' میں جناب رشید احمد قدوائی کے ساتھ ان سے ملا تھا۔ ہم نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ واقعی دہشت گردوں کے خلاف ہیں' شہری آبادی کے خلاف نہیں ہیں تو شہری آبادی کے ممتاز اہل فکر کا اجلاس وزیراعظم کی صدارت میں بلائیں۔ اس اجلاس میں اس آبادی کی شکایات اور مسائل معلوم کر کے ان کو حل کرنے کی ترجیحات طے کی جائیں اور ان ترجیحات کے مطابق حکومت کام شروع کر دے' تب شہری آبادی کو یقین دلانے کی کوشش کی جا سکتی ہے کہ آپ فی الواقع دہشت گردی کے خلاف ہیں' شہریوں کے دشمن نہیں۔ لیکن تجویز سے اتفاق کرنے کے باوجود جناب کمال اظفر نے اب تک کچھ نہ کیا۔

جناب الطاف حسین سے اپیل : اب میں جناب الطاف حسین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس قسم کا ایک اجلاس خود بلائیں۔ اس اجلاس میں شہری آبادی کے حقوق اور مطالبات کی ایک جامع دستاویز تیار کر کے ان مطالبات کو منوانے کے لئے سیاسی مہم چلائیں۔

حکومت کی طرف سے روز روز ہونے والے نئے نئے مظالم کے خلاف احتجاجی مہم چلانے سے اصل مطالبات پس پشت چلے جاتے ہیں اور حکومت کا غالباً مقصد بھی یہی ہے کہ آپ اور ہم صرف ان مظالم پر ماتم کرتے رہیں' یوم سوگ مناتے رہیں' ہڑتال کر کر کے خود کو تباہ کرتے رہیں اور وہ شہری آبادی کے حقوق اطمینان سے غصب کرتے رہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس کام میں جناب آفاق احمد' ڈاکٹر سلیم حیدر اور جناب نصرت مرزا' سب جناب الطاف حسین کا ساتھ دیں گے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنی عمر اور اپنی صحت کے لحاظ سے صرف کامیابی کے لئے دعا کر سکتا ہوں' جو بہرحال اب بھی کر لیتا ہوں۔ وما علینا الا البلاغ۔OO

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# کیا سوڈان کا مستقبل خطرے میں ہے؟

سوڈان میں برطانیہ کی سرپرستی میں قائم "سوڈانی پیپلز لبریشن آرمی" (SPLA) کو ان دنوں بدترین سیاسی انتشار اور عسکری پسپائی سے دوچار ہونا پڑا ہے' جس پر سوڈان کے خلاف برطانیہ کی خفیہ مہم کا آغاز اس بات کی علامت معلوم ہوتی ہے کہ برطانوی حکومت نے اپنے مفادات کے لئے صدر عمر بشیر کی حکومت کا تختہ الٹانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اس سے قبل ۱۲ ستمبر ۱۹۹۵ء کو ۱۶ افریقی ممالک کا ایک گروہ غالباً حسنی مبارک کی شہ پر سوڈان کی حکومت کی مذمت کر چکا ہے۔ ۱۳ ستمبر کو خرطوم یونیورسٹی میں طلباء کے احتجاج سے' جس میں ۶ افراد ہلاک اور ۷۹ گرفتار ہوئے' صورتحال مزید خراب ہوئی ہے۔ ایک طرف سوڈان نے برطانیہ کا کام بہت حد تک آسان کر دیا ہے۔ برطانیہ میں سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ "نیشنل سالویشن فرنٹ" کے سربراہ حسن ترابی اور جنرل عمر بشیر کی فوجی حکومت کے درمیان خون ریز تصادم ناگزیر ہو چکا ہے۔

ای۔ آئی۔ آر (EIR)' ۲۹ ستمبر ۱۹۹۵ء میں Linda de hoyos نے یہاں تک پیش گوئی کی ہے کہ سوڈان کی حکومت کا ہی نہیں ملک کا اپنا وجود بھی خطرے میں ہے' بلکہ لندن تینوں افریقی ممالک' نائیجیریا' جنوبی افریقہ اور سوڈان کو ہدف بنائے ہوئے ہے۔ Hoyos کے مطابق لندن ایتھوپیا' کینیا' یوگنڈا' برونڈی' روانڈا' تنزانیہ' ملاوی اور زمبیا پر اپنی اجارہ داری چاہتا ہے' جس کی راہ میں سوڈان سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یاد رہے کہ یہ علاقہ قیمتی معدنیات' خاص کر کوئلہ' جست' سکہ' سونا' چاندی' کوبالٹ اور پلاٹینم کے لئے بہت زرخیز ہے۔

سوڈان' برطانیہ کے مکروہ عزائم سے بے خبر نہیں لہٰذا حکومت حالات کو قابو میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے لیکن برطانیہ کی ریشہ دوانیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔

(دی مسلم ورلڈ' ۲۵ نومبر ۱۹۹۵ء)

# مسئلہ کشمیر..... نئے امکانات

## اس مسئلہ کا حل جذباتی رویئے سے نہیں حقیقت پسندانہ سوچ سے نکلے گا

### خود مختار کشمیر کے قیام میں امریکی دلچسپی خطرے سے خالی نہیں ہے

### پاکستان اور بھارت نئے یہودی استعمار کی سازشوں کو ناکام بنا سکتے ہیں

شمس العارفین

پچھلے دنوں بھارت کی مرکزی حکومت نے مقبوضہ کشمیر میں ماہ دسمبر کے وسط تک انتخابات کرانے کا اعلان کیا تو مقبوضہ کشمیر کی کل جماعتی حریت کانفرنس کے رہنماؤں نے انتخابات کو یہ کہہ کر رد کر دیا۔ کہ بھارت کے آئین کے تحت انہیں یہ انتخابات بھی قبول نہیں۔ تحریک کشمیر کے بزرگ راہنما سید علی شاہ گیلانی نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ "انتخابات اور محدود خود مختاری مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی بجائے مزید پیچیدہ بنا دیں گے"۔ اس کے بعد پاکستان کے دفتر خارجہ کی طرف سے بھی بھارتی حکومت کے مذکورہ بالا بیان کی مذمت اور حریت کانفرنس کے راہنماؤں کے بیانات کی حمایت کی گئی۔ مسئلہ کشمیر کے بارے میں درج بالا دونوں باہم متصادم موقف اس "ڈیڈ لاک" کی ایک جھلک ہیں۔ جس نے اس مسئلے کو گزشتہ پچاس سال سے حل نہیں ہونے دیا۔ نتیجتاً یہ اہم مسئلہ جنوبی ایشیاء میں امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ "ڈیڈ لاک" اس مسئلے کو پیچیدہ تر بناتا جا رہا ہے۔ کیا یہ "ڈیڈ لاک" کبھی ختم نہیں ہو گا؟ کیا مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کے خون کی یونہی ارزانی رہے گی؟ کیا اس مسئلے کے فریق اپنے اپنے موقف پر ڈٹے رہیں گے۔ کیا اس مسئلے کے لئے نئے امکانات کی گنجائش نہیں ہے؟۔ اگر ہے تو وہ نئے امکانات کیا ہیں جو بدلتے ہوئے عالمی اور علاقائی حالات میں اس مسئلے کے حل اور پاکستان کے استحکام کی ضمانت دے سکیں؟۔ یہ اور اس طرح کے اور بہت سے سوالات سوچ بچار کرنے والے افراد کے ذہنوں میں میں ارتعاش پیدا کر رہے ہیں۔ ان سوالات کا تسلی بخش جواب دینا پاکستان کے سیاستدانوں' دانشوروں' صحافیوں اور امور خارجہ کے ماہرین کی اولین ذمہ داری ہے۔

امریکہ نے پچھلے چند سالوں میں مسئلہ کشمیر سے خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ امریکی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل صاحبہ نے خلیج میں عراق امریکہ جنگ کے فوراً بعد پاکستانی ماہرین بین الاقوامی امور کو یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ مسئلہ کشمیر ایک متنازعہ مسئلہ ہے اور امریکہ اس مسئلے کو ابھی "زندہ" سمجھتا ہے۔ اس کے بعد سے رابن رافیل صاحبہ پاکستان کے متعدد دورے کر چکی ہیں' اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کے بیانات ملکی اخبارات کی زینت بنتے رہے ہیں۔ گزشتہ چار سالوں میں خود مختار کشمیر کے نعرے کو تھرڈ آپشن کے طور پر خوب پذیرائی حاصل ہوئی حتیٰ کہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے انتہائی اہم سیاستدانوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں خود مختار کشمیر کے حق میں بیانات دیئے مگر رائے عامہ کی مخالفت کے سبب انہوں نے چپ سادھ لینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ آج خود مختار کشمیر کی بات زیادہ اعتماد سے کہی جا رہی ہے۔ خصوصاً کراچی کی دن بدن بگڑتی ہوئی صورت حال کے تناظر میں اس موقف کو خاص تقویت حاصل ہوئی ہے۔ مسئلہ کشمیر میں امریکی دلچسپی اور خود مختار کشمیر کے نقطہ نظر کی پذیرائی' ان دونوں باتوں کے باہمی تعلق کو سمجھنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

بین الاقوامی سطح پر ظاہر ہونے والے معمولی سے معمولی واقعہ کا بھی کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے۔ پس منظر کو سمجھے بغیر اس واقعہ کے اثرات اور نتائج کا صحیح ادراک ممکن نہیں ہوتا۔ مسئلہ کشمیر میں امریکہ کی حالیہ دلچسپی اور خود مختار کشمیر کے نعرے کی مقبولیت کا بھی ایک تناظر ہے' جو علاقائی اور بین الاقوامی حالات پر مستقبل میں گہرے اثرات مرتب کرے گا۔ نیو ورلڈ آرڈر کی اصطلاح ابتداء سابقہ امریکی صدر جارج بش نے سوویت یونین کے انہدام اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اس وقت استعمال کی جب امریکہ کو واحد سپریم پاور کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد "امریکہ اینڈ کو" اقوام متحدہ کی منظور کردہ قرار دادوں کے پردے میں عراق کو تہس نہس کر دیا تو اس نئے عالمی استعمار کے عزائم واضح ہو گئے۔ یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ بظاہر امریکی استعمار جو اصلاً یہودی استعمار ہے' نیو ورلڈ آرڈر کے خوبصورت نام کے "ماسک" تلے ساری دنیا خصوصاً عربوں اور مسلمانوں کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑنے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ اس استعمار کی اب دو بڑی ترجیحات ہیں۔ اولاً عرب ممالک سمیت پوری دنیا کا مالیاتی کنٹرول حاصل کرنا۔ ثانیاً مسجد اقصیٰ کو منہدم کر کے ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرنا۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے اور

> "آزاد کشمیر اور پاکستان کے انتہائی اہم سیاستدانوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں خود مختار کشمیر کے حق میں بیانات دیئے مگر رائے عامہ کی مخالفت کے سبب انہوں نے چپ سادھ لی' آج خود مختار کشمیر کی بات زیادہ اعتماد سے کہی جا رہی ہے"

عراق کی تباہی کے بعد تو یہ استعمار اتنا بدمست تھا کہ امریکی دفتر خارجہ کے ایک افسر فوکویاما (Fukuyama) کے تاریخ کا خاتمہ (End of the History) کے عنوان سے ایک آرٹیکل لکھ ڈالا' جس میں اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ تاریخ کا ارتقاء اب مکمل ہو گیا ہے چنانچہ دنیا پر اب سرمایہ داریت اور مغربی جمہوریت کا ہمیشہ غلبہ رہے گا لیکن جب عالمی سطح پر بعض مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا تو امریکی یونیورسٹی کے پروفیسر ہنٹنگٹن (Huntingtion) نے تہذیبوں کا تصادم (Clash of civilization) نامی مضمون تحریر کیا' جس میں انہوں نے لکھا کہ مغربی تہذیب کو آئندہ خطرہ چین میں پروان چڑھتی ہوئی بدھ مت کی تہذیب اور اسلامی تہذیب سے ہے۔ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان چونکہ تعاون بڑھ رہا ہے چنانچہ مستقبل کے خطرے سے نمٹنے کے لئے چین کو مسلم ممالک سے دور رکھنا ضروری ہے۔ اس وقت سے امریکہ کی یہ کوشش ہے کہ چین کی خارجہ پالیسی کا رخ بحرالکاہل کے ممالک جیسے آسٹریلیا وغیرہ کی طرف رہے' اور اس کی تجارت انہی ممالک سے بڑھے۔

اس نئے عالمی استعمار کی یہ پوری کوشش ہے کہ پاکستان کے ایران اور چین سے فاصلے بڑھ جائیں۔ پاکستان افغانستان میں امریکی پالیسی کی تائید کرے۔ اسی طرح اسرائیل کو تسلیم کرانا بھی اس کی پالیسی کا ایک اہم حصہ ہے۔ براؤن ترمیم کی پرکشش پیشکش اس مقصد کے حصول کے لئے سامنے لائی گئی ہے۔

اس نئے عالمی استعمار کے عزائم کی تکمیل کی راہ میں فوری طور پر سب سے بڑی رکاوٹ چین کی عظیم عسکری قوت اور بڑھتی ہوئی معاشی ترقی ہے' جس کی بنا پر چین کو آئندہ صدی کی سپرپاور کہا جارہا ہے۔ اسی طرح جاپان کی صنعتی قوت بھی اس کے لئے بہت بڑا مسئلہ ہے۔ مستقبل میں بھارت کو عددی قوت اور روسی ترکستانی ممالک کو ایٹمی صلاحیت کی بدولت بڑا خطرہ سمجھا جارہا ہے۔ مسلم ممالک میں اس استعمار کی راہ میں واحد رکاوٹ ایران۔ افغانستان اور پاکستان کی بنیاد پرست قوتیں رہ گئی ہیں۔ لیکن ان میں بھی فوری طور پر اس استعمار کا راستہ روکنے کی موثر طاقت موجود نہیں ہے۔

مذکورہ بالا خطرات سے نمٹنے کے لئے امریکہ بیک وقت کئی منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے چند ایک کا تذکرہ کافی ہے۔ امریکہ کی توجہات کراچی اور گوادر کو فری پورٹ بنانے پر مرکوز ہیں گلگت اور دوسرے شمالی علاقہ جات میں ایک خود مختار آغاخانی ریاست کا قیام اور کشمیر کو اپنے زیر اثر لانا اس کے منصوبے کے اہم اجزاء ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں شیعہ سنی اور لسانی فسادات کو بھڑکایا گیا۔ کراچی میں فسادات کروا کے امن عامہ کے مسائل پیدا کئے گئے۔ گلگت اور ملحقہ علاقوں میں آغا خانیوں کے اثرات تیزی سے بڑھنے لگے ہیں۔ سیکولر کشمیری نیشنلزم کی سرپرستی کی گئی۔ چنانچہ خود مختار کشمیر کے نقطہ نظر کو قبول عام حاصل ہونے لگا۔ اس سلسلے میں مزید پیش رفت جاری ہے۔

خود مختار کشمیر کے نقطہ نظر سے امریکی دلچسپی کو سمجھنے کے لئے چند جغرافیائی حقائق سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ کشمیر اور لداخ (بھارت کے زیر کنٹرول غیر مسلم اکثریت کا علاقہ) سے چین کا حساس علاقہ

> "کولمبیا میں بھارتی وزیراعظم نرسمہا راؤ نے صاف صاف یہ کہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے' مسئلہ صرف اتنا ہے کہ پاکستان نے بھارت کے کچھ حصے پر قبضہ کر رکھا ہے' وہ قبضہ ختم ہو جائے تو جھگڑا باقی نہیں رہے گا!!"

شروع ہوتا ہے۔ چین کا نیوکلیئر ٹیسٹ کا علاقہ یہاں سے بالکل قریب ہے۔ اس طرح چینی سپیس لانچ پروگرام کو بھی وہاں سے باسانی کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں اکسائی چن (چینی علاقہ) کا ۱۴۰۰۰ فٹ بلند خطہ بھی وہیں موجود ہے جو لداخ سے منسلک ہے اور تبت کو سنکیانگ سے ملاتا ہے۔ کشمیر ایشیا کے قلب میں واقع ہے چنانچہ وہاں سے پاکستان' بھارت' چین' افغانستان اور ایران پر نگاہ رکھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ یہاں سے امریکہ جب چاہے چین' ایران' افغانستان اور پاکستان کی فوجی و ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ اگر خود مختار کشمیر بنتا ہے تو یہ یقیناً امریکی کوششوں کا ثمر ہو گا۔ نئی کشمیری ریاست کو تعمیر و ترقی کے لئے جو امداد کی ضرورت ہوئی تو عالمی مالیاتی ادارے جو استعمار کا سب سے حسین ہتھیار ہیں' فوری مدد کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ امکانی خطرات سے حفاظت کے لئے امریکہ بہادر سے زیادہ قابل اعتماد چوکیدار کوئی نہ ہو گا۔ چنانچہ بظاہر خود مختار لیکن حقیقتاً امریکی استعمار کا طفیلی کشمیر وجود میں آجائے گا جو اس پورے خطے میں مشرق وسطی میں اسرائیل کی طرح امریکی اور یہودی مفادات کا نگران ہو گا۔ اس طرح اپنی آزادی کے صرف پچاس سال بعد جنوبی ایشیا کے دو بڑے ممالک بھارت اور پاکستان نئے عالمی استعمار کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ یہاں پہنچ کر مسئلہ کشمیر خوف ناک صورت حال اختیار کر لیتا ہے اور پھر یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے نئے امکانات کی راہیں کھلتی ہیں' اور تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی اور علاقائی حالات پر نظر رکھنے والا باشعور شخص نئے رخ پر سوچنے لگتا ہے۔

مذکورہ بالا بین الاقوامی حالات کے پیش نظر پاکستان کو نئے عالمی استعمار کی یہودی سازش کو سمجھنا چاہئے' اور اس کے ان مذموم مفادات کو ناکام بنانے کے لئے فوری طور پر چند اہم اقدامات کرنے چاہئیں۔ اولاً پاکستان اپنے قریبی ممالک یعنی ایران' افغانستان اور روسی ترکستان کے ممالک (ترکمانستان' ازبکستان وغیرہ) کے ساتھ مل کر ایک مسلم بلاک بنانے کی کوشش کرے۔ ثانیاً چین کے ساتھ سرد پڑ جانے والے تعلقات میں دوبارہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا جائے اور از سرنو قدیم رشتوں کو مضبوط بنایا جائے۔ ثالثاً بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لانے کی کوشش کی جائے چنانچہ اس کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو فروغ دیا جائے لیکن بھارت کے معاملے میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے کسی قابل قبول حل کے بغیر باہمی تعلقات میں گرم جوشی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے پچاس سالہ "ڈیڈ لاک" ختم کرنا لازمی ہے۔ یہ "ڈیڈلاک" موجودہ عالمی اور علاقائی حالات کے پس منظر میں نئے امکانات پر غور کئے بغیر ختم نہیں ہو سکتا۔

ان نئے امکانات پر سوچنے کے لئے ہمیں حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ہمیں اس بات کا بھرپور ادراک ہونا چاہئے کہ بھارت مقبوضہ کشمیر کا ایک انچ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ کولمبیا میں بھارتی وزیراعظم نرسمہا راؤ نے صاف صاف یہ کہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ یہ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ پاکستان نے بھارت کے کچھ حصے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر وہ قبضہ ختم ہو جائے تو جھگڑا باقی نہیں رہے گا۔ جب حالات کا رخ یہ ہو تو ایسی صورت میں صرف جہادی تحریک کے ذریعے مسئلہ کشمیر کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے حقیقت پسندی اور دور بینی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کا واحد حل دونوں فریق ممالک کے درمیان باہم گفت و شنید ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے

ہمیں چین اور ایران جیسے ممالک کا تعاون حاصل کرنا چاہئے۔ اب چین اور ایران بھارت کے کافی قریب ہیں۔ بھارت اب ان دونوں ممالک کی اہمیت کو بھی تسلیم کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں ممالک پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے ہمیں مسئلہ کشمیر میں سے اقوام متحدہ اور امریکہ کو خارج کرنا ہوگا تاکہ امریکی عزائم پہلے کی طرح اس مسئلے کے حل میں آڑے نہ آئیں۔

یہ مسئلہ خالصتاً دونوں ممالک خود حل کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس مسئلے کو ۱۹۴۷ء کی تقسیم کا نامکمل ایجنڈا قرار دے کر پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے عبارت کو سہ نکاتی تجویز پیش کی جائے۔ یعنی آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کی علیحدہ حیثیت ختم کر کے پاکستان کے صوبوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریتی علاقے بھارت اپنے اندر ضم کر کے اپنی ریاستیں بنا لے۔ جبکہ وادی میں بھارت اور پاکستان فقط اپنی زیر نگرانی (نہ کہ اقوام متحدہ کی امن فوج کے سائے تلے) ریفرنڈم کروائیں، جس میں بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک سے الحاق کے علاوہ داخلی مختاری کا تیسرا متبادل بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اس صورت میں اس

**"اس نئے عالمی استعمار کی یہ پوری کوشش ہے کہ پاکستان ایران اور چین سے فاصلے بڑھ جائیں۔ پاکستان افغانستان میں امریکی پالیسی کی تائید کرے، اسی طرح اسرائیل کو تسلیم کرانا بھی اس کی پالیسی کا اہم حصہ ہے"**

خارجہ پالیسی پاکستان اور بھارت کی زیر نگرانی رہے، اور یہی دونوں ممالک خارجہ امور کو مانیٹر کریں۔ بظاہر یہ تجویز پاکستان کے اصولی موقف سے ایک انحراف ہے لیکن بدلتے ہوئے عالمی اور علاقائی حالات میں بھارت، پاکستان اور اہل کشمیر کے لئے اس سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔OO

اظہارِ حقیقت

## مسئلہ کشمیر اور مولانا مودودی مرحوم

**سہ روزہ کوثر (۱۷/ اگست ۱۹۴۸ء) میں شائع شدہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کا مسئلہ کشمیر کے بارے میں وہ تاریخی بیان جسے چیستاں بنا دیا گیا!**

"کشمیر کے معاملے میں جو الجھنیں واقع ہوئی ہیں وہ سب ہمارے لیڈروں کی پیہم غلطیوں کے نتائج ہیں۔ انہوں نے ریاستوں کے متعلق ایک بالکل مبہم بات مان لی اور قطعی طور پر یہ طے نہیں کرایا کہ کسی مملکت میں کسی ریاست کی شرکت کا فیصلہ والی ریاست نہیں کرے گا بلکہ باشندگان ریاست کریں گے بلکہ وہ ہمارے ہی لیڈر تھے جنہوں نے اس خیال کی مخالفت کی تھی۔ پھر انہوں نے سرحدوں کے تعین کا فیصلہ ریڈ کلف اور مونٹ بیٹن کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور پیشگی لکھ کر دے دیا کہ جو سرحدی خط وہ کھینچ دیں گے اس کو یہ بے چون و چرا مان لیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورداسپور کا ضلع انڈین یونین میں شامل کر دیا گیا اور کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا راستہ مل گیا۔ پھر انہوں نے ریاست کشمیر کے ساتھ بحالی تعلقات کا معاہدہ کر لیا اور جموں اور پونچھ میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہے تھے تو یہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ پھر جب والی کشمیر انڈین یونین میں شامل ہو گیا اور ہندوستان نے اپنی فوجیں اتار دیں تو چند بیانات دینے کے سوا انہوں نے کچھ نہ کیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف ہندوستان کی فوجیں کشمیر کے معاملے کو بہ نوک شمشیر طے کرنے میں لگی ہوئی ہیں دوسری طرف ریاست حیدر آباد کو محو کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں اور تیسری طرف پاکستان کی حکومت یو این او میں مقدمہ لڑنے کے علاوہ اور جلے کٹے بیان دینے کے سوا کچھ نہیں کر رہی۔ یہ سب ہمارے لیڈروں کی کمزوریوں کے نتائج ہیں۔ ان نتائج کے چکر سے نکلنے کی صورت یہ نہیں کہ ہم غیر اسلامی چالوں سے کام لیں اور خود اپنے نمائندوں کی قبول کی ہوئی ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر ایسی جنگی کارروائیاں کرنے لگیں جو کم از کم میرے علم کی حد تک تو شرعاً جائز نہیں ہیں۔ اس کے بجائے ہمیں اپنی حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ ان معاہدانہ تعلقات کو ختم کر کے خدا کے بھروسے پر اٹھے اور کشمیر کے مسئلے کو اسی طرح طے کرے جس طرح انڈین یونین اس کو طے کرنے کی کوشش کر رہی ہے"۔

نمک پارے / شکر پارے

**شفیع ایم انعام**

### رعایت

ایک صاحب کو روز فون پر دھمکیاں ملتی تھیں۔ دھمکیاں دینے والوں سے بات چیت کا سلسلہ ٹیلیفون پر آگے بڑھا۔ ماہانہ ۲۵ ہزار کی رقم کا مطالبہ ہوا۔ بڑے پریشان ہوئے کہ یہاں تو مشکل سے دو وقت پورے ہوتے ہیں۔ پوری گفتگو سناتے ہوئے کہنے لگے کہ ایک دوسرے سے گینگ سے مدد طلب کی۔ انہوں نے پہلا مشورہ گھر چھوڑنے کا دیا۔ پوچھا کہاں جاؤں گا یہاں تو برسوں سے اس گھر میں کرایہ پر رہ رہا ہوں۔ بتایا گیا کہ آپ کے لئے رہائش و حفاظت کا متبادل انتظام کر دیں گے۔ رقم میں کچھ رعایت بھی کر دیں گے۔ بس ہمارے علاقے میں کرایہ وغیرہ کے علاوہ بیس ہزار ماہانہ ہی دینے ہوں گے!!

### فرق

"ارے بھائی یہ تو ذرا بتاؤ کہ سمگلنگ اور انفارمل ٹریڈ میں کیا فرق ہے؟"

لیڈر صاحب نے کچھ یوں وضاحت کی: ایک صاحب نے ایک بزنس لیڈر سے پوچھا۔

"سمگلنگ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے چھپا چھپا کر ہونے والی تجارت کو کہتے ہیں اور انفارمل ٹریڈ انہی اداروں کی ملی بھگت سے ہوتی ہے۔ اسی لئے بسا اوقات یہ تجارت عام تجارت سے بہت بڑھ جاتی ہے"۔

# اگر اب بھی دینی عناصر متحد نہ ہوئے تو ......

## کراچی میں مبینہ دہشت گردوں کیخلاف کارروائی نے بابر کو علماء پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ دیا ہے

### عوام اب بھی علماء کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں لیکن .......

میم سین

وفاقی وزیر داخلہ نے کچھ عرصے قبل اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ دہشت گردی خواہ کراچی میں ہو خواہ دیر یا باجوڑ میں، حکومت انہیں سختی سے کچل دے گی۔ ادھر کچھ دنوں سے یہ چرچا سننے میں آرہا ہے کہ انہوں نے حکومتی اصطلاح میں "الطاف گروپ" کے بڑے بڑے دہشت گردوں کو یا تو فرضی پولیس مقابلوں میں ہلاک کر دیا ہے یا قید کر لیا ہے۔ جبھی کراچی میں دہشت گردی کا زور ٹوٹ رہا ہے اور الطاف گروپ بھی مایوسی کا شکار ہو چکا ہے۔ اس بات میں کتنی صداقت ہے اس کا علم فریقین کو ہو گا ورنہ عالم الغیب والشہادہ کو تو بہرحال ہے ہی۔ البتہ جنرل نصیر اللہ بابر کے حوصلے بظاہر بلند ہیں اور انہوں نے مصری سفارت خانے میں ہونے والے دھماکے کے بعد بالآخر دینی جماعتوں پر بھی ہاتھ ڈال دیا ہے۔

ہمارے ہاں یا تو علماء کا طبقہ ہے جو درس و تدریس اور تعلیم و تعلم میں مصروف ہے۔ یہی خطباء اور ائمہ پیدا کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن بہرحال ان کے پیش نظر کسی قسم کا انقلاب ہرگز نہیں ہے۔ یا پھر وہ سیاسی مذہبی جماعتیں ہیں جن کے پیش نظر انقلاب تو ہے لیکن اس کے لئے جو راستہ انہوں نے چنا ہے وہ مروجہ انتخابی سیاست کا ہے۔ البتہ ایک گروپ وہ ہے جس نے انتخابی سیاست میں حصہ لیا۔ انتخابی نتائج نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس راستہ سے انقلاب ہرگز نہیں آ سکتا لہٰذا اس نے لوگوں کے ذہنوں میں فکری اور عملی انقلاب برپا کرنے کے لئے انقلابی نہج پر تعلیم و تعلم کا آغاز کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی مذہبی جماعتیں سیاسی سرگرمیوں میں کچھ اس درجہ مصروف ہو گئی ہیں کہ تعمیر افکار کا کام انہوں نے تقریباً فراموش کر دیا ہے۔ یہ دور مادہ پرستی کا دور ہے اور صرف لوگوں میں خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کر کے ہی انہیں مادہ پرستی کی دوڑ سے دور رکھا جا سکتا تھا۔ یہ کام نہ ہوا تو سیکولر جماعتوں نے ان کی مادی ضروریات کو ہوا دے کر ان کے ذہنوں پر قبضہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ سیکولر جماعتیں آگے سے آگے جا رہی ہیں اور مذہبی سیاسی جماعتیں پیچھے سے پیچھے تاآنکہ صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکت کی زمام کار دوسری مرتبہ ایک خاتون وزیر اعظم کے ہاتھوں میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہماری قوم دن بدن فلاح سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

وطن عزیز میں ایک گروپ اور ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے دعوت، تنظیم اور تربیت کے ذریعہ ایک فوجی ڈسپلن والی جماعت بنائی جائے جو اتنے سرفروشوں کو اکٹھا کر لے کہ طاقت کے ذریعے برائی کو روکنے کا فریضہ انجام دے سکے۔ یہ کام کسی دنیوی اقتدار کے لئے نہیں بلکہ اقتدار کے ایوانوں سے دور رہتے ہوئے خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ اس گروپ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسلامی انقلاب صرف انقلابی عمل سے ہی آ سکتا ہے، محض کسی تبلیغ کے ذریعہ، انتخابی سیاست کے راستے سے یا دہشت گردی کا راستہ اختیار کر کے ہرگز نہیں آ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وطن عزیز اور اس کے گرد و پیش چلنے والی ان تحریکوں کے نتائج پر غور کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحریک چاہے کسی جہاد کے نام پر ہو یا حقوق کے حصول کے عنوان سے، دہشت گردی کا راستہ اختیار کر کے انہوں نے اپنے عوام کو ہی نقصان پہنچایا ہے، منزل مقصود اب تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

اب آیئے اس حقیقت کی طرف کہ اگرچہ ہمارے عوام کی اکثریت عملی مسلمان نہیں لیکن اسلام کے نام پر جب بھی انہیں کال دی گئی ہے وہ سر سے کفن باندھ کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس کی واضح مثال تحریک پاکستان اور پھر اس کے تیس سال کے بعد "تحریک نظام مصطفیٰ" ہے۔ اگرچہ علماء و مشائخ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے تو پاکستان نہ بنتا اور اگر وہ نظام مصطفیٰ کی تحریک کی قیادت نہ کرتے تو اصغر خان اور ولی خان جیسے سیکولر ذہنیت رکھنے والے سیاستدان قوم کو ذوالفقار علی بھٹو سے نجات نہ دلا سکتے۔ لیکن اس کے بعد ہوا یہ کہ قیام پاکستان کے بعد علماء نے قیادت سیکولر سیاستدانوں کے حوالے کر دی۔ شروع میں تو کچھ لوگوں نے پاکستان کے قیام کے مقاصد کو روبہ عمل لانے کے لئے حکومتوں پر دباؤ بھی ڈالا لیکن بعد میں وہ بھی بازیچہ سیاست کے کھلاڑی بن گئے۔ اسی طرح نظام مصطفیٰ کی تحریک کے خاتمے کے بعد علماء میں انتشار پیدا ہوا۔ کچھ اس تحریک سے علیحدہ ہوئے، کچھ مارشل لائی کیبنٹ میں وزیر بنے۔ ان تمام حقائق کی بناء پر علماء پر عوام کا اعتماد مجروح ہوا۔ اس کے باوجود خود انہوں نے ان کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑا۔ نفاذ شریعت محمدی کی تحریک میں انہوں نے جانیں دیں۔ ابھی حال ہی میں مختلف جماعتوں کے سالانہ اجتماعات کے موقع پر جو مناظر دیکھنے میں آئے ہیں وہ اس کے باوجود کہ کچھ تو علماء کے اپنے کردار مثلاً سیکولر جماعتوں کے اقتدار میں آنے کی راہ ہموار کرنا، وزارت اور سفارت کے عوض ان حکومتوں کا معاون بننا اور پھر لسانی قومیتوں کی قیادت کا ان کے دلوں میں دین اور علماء دین سے منظم طور پر نفرت پیدا کرنا، وہ عوامل ہیں جن میں کسی نہ کسی درجے میں ان جماعتوں اور ان کے قائدین سے بیزاری پیدا ہوئی ہے، دینی عناصر کی حوصلہ افزائی کا اللہ کی جانب سے ایک ذریعہ ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی جماعتیں اپنے اختلافات کو ایک طرف رکھ کر

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

## بقیہ : مکتوبِ کراچی

فرمادے گا جو ہمارے خلاف گواہی دینے کے لئے بے تاب ہو گا۔ اس دن پتہ چلے گا کہ کتنے ضمیر مطمئن تھے' کتنے ضمیروں کو تھپکی دے کر سلا دیا گیا تھا اور کتنے ہی ضمیر مردہ ہو چکے تھے۔

پولیس کی زیادتیوں کے بارے میں ایک سوال پر انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو' پولیس جھوٹے مقدمات قائم کرے تو اس کی شکایت ڈی آئی جی کراچی سے کرنی چاہئے۔ یعنی جو خود شریک جرم ہو اسے منصف بنایا جا رہا ہے۔ بہت خوب گویا "خود ہی قتل کرے ہیں لے ہیں ثواب الٹا"۔ پولیس تھرڈ ڈگری استعمال کر کے ناکردہ گناہوں کا اقبال جرم کرواتی ہے۔ صدر صاحب ایک آرڈیننس کے ذریعے پولیس کے اس عمل کو قانونی تحفظ عطا کرتے ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ آئی جی سے شکایت کرو' حالانکہ پولیس زیادتیوں کے چرچے میں جس قدر عام ہو چکے ہیں اس کو ختم کرنے کے لئے حکومت ایک غیر جانبدار کمیشن قائم کرتی جو لوگوں کی شکایات کا ازالہ کرتا۔ ہمارے ہاں اچھی شہرت رکھنے والے پتہ نہیں کتنے جج حضرات موجود ہیں جو ریٹائر ہو چکے ہیں انہیں اس کمیشن میں شامل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن مطمئن ضمیر رکھنے والے ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ کام تو وہ کرتے ہیں جن کا ضمیر ان کی غلط روی پر کچوکے لگاتا ہو۔ ان حالات میں ہم اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ اس قادر مطلق سے حکمرانوں کے حق میں معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی دعا کریں۔ کیونکہ "ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے"۔

## بقیہ : بحث و نظر

(Communicate) کر سکتے ہیں۔

( ) امریکہ کے مقابلے میں بھارت سے دوستی کو اس لئے بھی ترجیح دی جانی چاہئے کہ دونوں ممالک کے عوام بھی ایسا ہی چاہتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر دونوں ممالک میں سے کہیں بھی ریفرنڈم کرا کے دیکھ لیں۔ عوام کی اکثریت پاک بھارت تعلقات کے حق میں ووٹ دے گی۔ جبکہ اس کی عظیم اکثریت امریکہ کے سخت خلاف نفرت کا اظہار کرے گی۔ حکمرانوں کا جھکاؤ امریکہ کی طرف اور عوام کا رجحان امریکہ سے نفرت ہے۔

## بقیہ : واقعاتِ عالم

کے نفاذ کے لئے بوسنیا جانے والے امریکی فوجیوں کو کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو۔

بوسنیا کے شمال مشرقی حصے' تزلا (Tuzla) کے علاقے میں جہاں امریکی سیکٹر قائم ہو گا زیادہ تر ایرانی اور افغان مجاہد ہیں۔ امریکی حکومت کے ترجمان نکولاس برنس نے زور دے کر کہا کہ ان لوگوں کی وہاں قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی انہیں وہاں رہنے دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مجاہدین نے بوسنیا کی مسلم حکومت کا ۴۴ مہینے تک سربوں اور کروٹوں کے خلاف جنگ میں ساتھ ضرور دیا ہے لیکن ان کے پیش نظر "بنیادی" تبدیلیاں لانا ہے۔ ہماری طرح "امن" قائم کرنا نہیں۔

(ڈان ۹ / دسمبر ۱۹۹۵ء)

امریکی حکومت اور نیٹو میں اس کے اتحادیوں کا کردار ملاحظہ ہو۔ اخلاق کا یہ حال ہے کہ انہیں سرب اور کروٹ عیسائیوں کی درندگی اور وحشیانہ مظالم پر آج تک کبھی ندامت محسوس نہیں ہوئی۔ جرات اور دلیری یہ ہے کہ جدید ترین اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لیس ۶۰ ہزار فوج کو گنے چنے نیم تربیت یافتہ مسلم مجاہدین سے خوف لاحق ہو رہا ہے اور انہیں نکالنے کی ڈیوٹی بے یار و مددگار 'لٹی پٹی بوسنیا کی مسلم حکومت کے ذمے لگائی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود "کامیابی" انہی کو حاصل ہو گی اس لئے کہ مسلمان بے شک جان دینے سے نہیں گھبراتا مگر کسی جدوجہد کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جو نظم و ضبط اور حکمت عملی چاہئے اس کا فقدان ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے' اگرچہ غالب امکان یہی ہے کہ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہو گا کہ مجاہدین کے ہاتھوں نہتے غیر مسلم شہری پریشان رہتے ہیں ہیں' بہرحال یہ بات یقیناً جہاد کے لئے نقصان دہ ہے۔OO

## بقیہ : دعوتِ فکر

سیکولر حکومتوں کے خلاف متحد ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ خود کو محفوظ رکھ سکیں گی بلکہ وطن عزیز کو بھی وطن فروشوں کے چنگل سے آزاد کروا سکیں گی۔ کیونکہ عوام کی اکثریت آج یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ جب قرآن کریم اہل کتاب کو مشترک عقائد کی بنیاد پر اتحاد کی دعوت دے سکتا ہے تو ایک اللہ' ایک نبی اور ایک قرآن کے ماننے والے دین کی مشترک باتوں پر اکٹھے کیوں نہیں ہو سکتے۔ جبکہ مذہبی سیاسی جماعتیں چند سیٹوں کے حصول کیلئے سیکولر جماعتوں سے اتحاد کے لئے بے چین رہتی ہیں۔ اگر اب بھی دینی عناصر متحد نہ ہوئے تو جس طرح مصر میں فرعونیت کی تجدید ہو رہی ہے' پاکستان میں بھی انہی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیا پتہ اللہ تعالیٰ سبحانہ انہیں سنبھلنے کا ایک موقع فراہم کر رہا ہو۔OO

## بقیہ : افکارِ معاصر

ہم ایک دوسرے کو دھمکیاں دیں۔ ہماری آپس کی لڑائیوں نے ہمیں مضحکہ خیز بنا دیا ہے اور اس سے صرف ہمارے دشمنوں کو اپنی قوت کو مجتمع کرنے میں مدد ملی ہے۔ ہم مسلم ممالک کیوں نہ آپس میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں' باہم تجارتی معاہدے کریں' معاشی اتحاد پیدا کریں' تعلیمی اور ثقافتی معاہدے کریں' یکساں بینکاری اور کرنسی کو رواج دیں' ناٹو کی طرح مشترکہ فوجی کمان قائم کریں اور کیوں نہ ہم اپنی اقوام متحدہ قائم کریں۔

مسلمانوں کے لئے مدد اور فتح کا جو وعدہ اللہ نے کیا ہے وہ غیر مشروط نہیں ہے۔ یہ دونوں فریقوں کے درمیان ایک مضبوط عہد ہے اور انعام کی بنیاد معاہدے کی شرائط کو پوری کرنے پر ہے۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے۔ "اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لئے کہ وہ لازماً انہیں زمین پر خلافت عطا کرے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور ان کے دین کو لازماً تمکن عطا فرمائے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا اور لازماً تبدیل کر دے گا ان کی خوف کی حالت کو امن کی حالت میں"OO

## بقیہ : وحدتِ امت

ہیں۔ ہر اسلامی ملک میں اسلامی حکومت تشکیل دی جا سکتی ہے جو اس امر کی پابند ہو کہ اسلامی احکام کو اپنے ہاں نافذ کرے۔ سربراہ مملکت' صدر ہو یا خلیفہ یا کسی اور نام سے' اسے عوام کے ووٹوں اور شورائی نظام کے ذریعہ انتخاب کریں۔ لوگوں کے نمائندے بھی اسی طرح پارلیمنٹ میں ووٹ کے ذریعہ منتخب ہوں۔ ہمارے ہاں اور دوسروں کے درمیان اس موضوع پر کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان اصول و مبانی کا جن سے ہم اس وقت ایران میں استفادہ کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔

# احیائے اسلام کے لئے بنیادی قدم "اتحاد امت" ہے

## مسلمان ممالک کو اقوام متحدہ کی بیساکھی کی چنداں حاجت نہیں!

## اللہ کا وعدۂ خلافت ارضی، عمل کے ساتھ مشروط ہے

اخذ و ترجمہ : میم۔ سین

**اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے امریکہ سے ڈاکٹر شاہد اطہر کا تجویز کردہ خاکہ**

یہ مضمون اس لیکچر پر مبنی ہے جو جناب ڈاکٹر شاہد اطہر نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بین الاقوامی کانفرنس کے موقع پر پیش کیا تھا' جسے اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن نے منعقد کیا تھا اور جس کا انعقاد اس موسم گرما میں شکاگو میں ہوا۔ پیشہ کے لحاظ سے یہ endocrinologist ہیں اور انڈیانا پولس امریکہ کے چیئرمین اور TMW کے اعزازی نمائندے بھی۔

ڈاکٹر شاہد اطہر نے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مقیم ایک سرگرم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی بیداری اور مختلف عقائد رکھنے والوں میں تعاون کی راہ تلاش کرنے میں مصروف ہیں' رابطہ عالم اسلامی کے ترجمان "دی مسلم ورلڈ" کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کیا ہے۔ (مترجم)

نشاۃ ثانیہ کا سادہ سا مطلب بہتری کی جانب تبدیلی یا بحالی ہے۔ لیکن تبدیلی کی حرکت دائرے میں نہیں ہوتی بلکہ خط مستقیم کی صورت میں اور مسلسل ارتقاء کی جانب ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے "اللہ لوگوں کے حالات نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں" (۱۱ : ۱۳) آیئے ہم تمام مسلمانوں کی بہتری کے لئے تبدیلی برپا کرنے اور اس تبدیلی کو برقرار رکھنے پر غور کرتے ہیں۔

**خود احتسابی :** سب سے پہلے ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ ہم کس خرابی سے گزر رہے ہیں۔ بعد ازاں پرخلوص سعی و جہد اور اللہ کی رحمت کے لئے دعا کرتے ہوئے' ان حالات سے نکلنے کا عزم مصمم کرنا چاہئے۔ مسلمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنی تاریخ کے مشکل ترین لمحات سے گزر رہے ہیں۔ جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے ان کی بہت بڑی تعداد کا قتل عام ہو رہا ہے' انہیں تشدد کا سامنا ہے' وہ اپنی زمینوں سے بے دخل کئے جا رہے ہیں' ان کے گھروں کو مسمار کیا جا رہا ہے' ان کی خواتین کو بے حرمتی کا سامنا ہے اور ان کی جائیدادیں ضبط کی جا رہی ہیں۔ انفرادی سطح پر' ان کے عقائد اور اقدار مثلاً حجاب وغیرہ پر حملے کئے جا رہے ہیں۔ ان کے قوت عمل کو بزور ختم کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنے عقائد اور اپنی وابستگی کے بارے میں معذرت خواہانہ رویئے اختیار کر رہے ہیں' اور وہ مذہب سے اپنا تعلق اس لئے ختم کرنے پر آمادہ ہیں کہ اس کی وجہ سے انہیں مصائب کا سامنا ہے۔ مسلمان خود کو جابر حکومتوں کے ظلم و ستم سے اپنے گھروں میں محفوظ محسوس نہیں کرتے اور نہ ان غیر مسلم ممالک میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور میڈیا کے حملوں کی زد میں ہیں۔ ذاتی سطح پر' سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ بہتری کی جانب قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ بظاہر احوال یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان حالات کو انہوں نے اللہ کے عذاب کے طور پر قبول کر لیا ہے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔

**انفرادی سطح پر تبدیلی :** ہمیں چاہئے کہ ہم اسلامی عبادات پر عمل پیرا ہوں۔ اکثر مسلمان اس سے انکار نہیں کریں گے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ سے ۲۰ فیصد مسلمان وہ ہیں جو پنج وقتہ نمازی ہیں۔ رمضان المبارک میں ہر دہ شخص روزہ نہیں رکھتا جسے روزہ رکھنا چاہئے۔ بہت تھوڑے مسلمان پوری زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ عبادات اس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ اس سے معرفت الٰہی میں اضافہ ہو۔ اگر اس کا ادراک ہو جائے تو ہم میں نظم' سچائی اور ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا ہو' اگر یہ تمام باتیں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہوں۔

**خاندانی سطح پر تبدیلی :** مسلمانوں کے خاندانی اقدار اسلام کے شعائر ہیں جس کی اہمیت کو قاہرہ کانفرنس نے گھٹانے کی کوشش کی۔ "تمہارا کام تمہارا کام' اور میرا کام میرا کام ہے" اسلام کے عقائد کے اوصاف میں سے نہیں ہے۔ اسلام میں ہر شخص دوسرے کا نگراں ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایک کنبہ کی طرح ایک ساتھ عبادت کرنا چاہئے' ایک ساتھ کھانا چاہئے' اور مشکل اور آسان دور میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے اور باہم ایک دوسرے کو سچائی اور بگاڑ سے بچاؤ کی تعلیم دینی چاہئے۔

**برادری کی سطح پر تبدیلی :** سب سے پہلی ضرورت اتحاد کی ہے۔ اختلاف آراء جائز ہے لیکن ان پر لڑنا اور ایک دوسرے کا خون بہانا ناجائز ہے۔ کیونکہ جب بوسنیا' کشمیر اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمان مارے جاتے ہیں تو ان سے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ آیا وہ شیعہ ہیں یا سنی یا یہ کہ ان کا کس مکتبہ فکر سے تعلق ہے۔ ہمیں غیر مسلموں میں اسلام کی مثبت تبلیغ کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنے باعمل اماموں' اپنے کاروبار اور اپنے پیشوں کا تحفظ کرنا چاہئے۔

**بین الاقوامی سطح پر تبدیلی :** ہم ۱۰۳ بلین مسلمانوں کو جو ۵۲ جھنڈوں تلے متحد ہیں' اس اقوام متحدہ کی ضرورت نہیں جو مسلمانوں اور ان کے مقاصد سے بے حسی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ ہمیں اپنے تحفظ کے لئے چار ملین فوج دستیاب ہے۔ ہمیں خلافت کے احیاء کی ضرورت ہے' بجائے اس کے کہ

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184



مکتوب کراچی

ں میں۔

# کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں!

## جعلی پولیس مقابلوں کے لئے نصیر اللہ بابر کا پیش کردہ جواز صحیح نہیں ہے

گیاہ ضعیف

## کیا ان کارروائیوں سے جنرل بابر کا ضمیر مطمئن ہے؟

وفاقی وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے جو کراچی میں آپریشن کی نگرانی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ایک انٹرویو کے دوران فرمایا ہے کہ ہمارے عدالتی نظام میں سقم اور ٹھوس شہادتوں کی کمی کے باعث خطرناک دہشت گرد باآسانی بری ہو جاتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہی کہ [illegible] دیگر سیاسی جماعتوں کی جانب سے یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ کراچی میں فرضی پولیس مقابلوں اور حراست میں ملزمان کے قتل کا حکم بحیثیت وزیر داخلہ آپ دے رہے ہیں۔ ان الزامات میں کیا صداقت ہے۔ کیا اس طرح کے اقدامات قانون کے مطابق ہیں؟ سوال کے پہلے جزو کی تو انہوں نے نفی فرمائی ہے اور اس کے دوسرے حصے کے جواب میں [illegible] کے علاوہ انہوں نے وہ بات کہی [illegible] ہوئی ہے۔ یہ تو ہماری [illegible] طرفی ہے [illegible] نے ایک

> ”ہمارے حکمرانوں کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار کے دوام کے لئے اللہ تعالیٰ کی بجائے ”غیر اللہ“ پر توکل کرنے لگے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ نظام جاری ہو جائے تو خون مسلم کی یہ ارزانی خود بخود ختم ہو جائے“

ایسے عدالتی نظام کو سینے سے لگا رکھا ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ دوسری جانب ان لوگوں کو جو اسلام کے نظام عدل و قسط کے نفاذ کی جدوجہد میں کسی نہ کسی درجے میں شریک ہیں ”بنیاد پرستی“ کا طعنہ ہی نہیں دیا جاتا بلکہ اب تو اپنے بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر ان ”بنیاد پرستوں“ کے خلاف عملی اقدامات بھی شروع کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی بنیادی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار کے دوام کے لئے اللہ کی بجائے ”غیر اللہ“ پر توکل کرتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ کا نظام عدل اس ملک میں جاری و ساری ہو جائے تو خون مسلم کی یہ ارزانی خود بخود ختم ہو جائے گی اور جس حکمران کے حصے میں یہ خوش بختی آئے گی اس کے اقتدار کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ لیکن چونکہ اللہ کا نظام تو نافذ نہیں ہے لہٰذا ہم اسے ایک طرف رکھ کر ملک میں جاری نظام کے تحت جو قوانین چل رہے ہیں اس کی روشنی میں وزیر موصوف کی بات کا جائزہ لیتے ہیں۔

موجودہ عدالتی نظام کے تحت کسی ملزم پر عائد جرم کے ثبوت کی فراہمی مدعی کی ذمہ داری ہے۔ قانون کے تحت ملک کا ہر شہری پاک دامن ہے جب تک اس [illegible] دہشت گردوں کے خلاف مدعی [illegible] حکومت ہی ہے اور ثبوت کی فراہمی بھی اسی کی ذمہ داری ہے اور بغیر ثبوت کے کسی ملزم کو کوئی سزا بھی نہیں دی جا سکتی چہ جائیکہ اسے جان سے مار ڈالا جائے۔ اگر عدالتی نظام میں کوئی سقم موجود ہے تو آخر یہ قانون ساز ادارے کس کام کے لئے وجود میں آئے ہیں؟ دستور میں ترمیم یا قانون سازی بھی حکومت کی ذمہ داری ہے حکومت کا فرض ہے کہ ہر شہری کا کو عدل و انصاف فراہم کرے۔ محض اس بنا پر کہ ہمارے عدالتی نظام میں سقم موجود ہے اور ٹھوس شہادتوں کی کمی کے باعث خطرناک دہشت گرد باآسانی بری کر دیئے جاتے ہیں، کسی ملزم کو فرضی پولیس مقابلے میں بلا خواہ اس کے جرم کی نوعیت کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو بذات خود ایک سنگین جرم ہے۔ کیونکہ ملزم جب تک کہ سزا سے پہلے اس کا جرم ثابت کیا جائے۔ ہمارے عدالتی نظام میں جھوٹی گواہیاں جو اختیار کر گئی ہیں اور گواہی دینا ایک باضابطہ حیثیت رکھتا ہے کہ یہ پیشہ عدالتی اہل کاروں کے جوڑ کے بغیر نہیں چل سکتا۔ ایک طرف تو حال یہ ہے کہ جھوٹی گواہیوں کی بنیاد پر نہ جانے کتنے لوگوں کو سزا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف شکوہ ہے کہ ٹھوس شہادتوں کی کمی کے باعث دہشت گرد [illegible] جاتے ہیں بلکہ میں تو اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ ایسے لوگ قانون ساز اداروں تک پہنچ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ برسر اقتدار قوم کی قسمت سے کھیلنے لگتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف گواہی دینے والوں کو جان کے تحفظ کے لئے حکومت کیا کر رہی ہے۔ جب حکومت اپنے تمام تر وسائل کے باوجود دہشت گردوں پر ہاتھ ڈالنے سے بسا اوقات قاصر رہتی ہے تو لوگ ان کے خلاف گواہی دے کر اپنی جان مفت میں کیوں گنوائیں۔ اب تو ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ پولیس اور عدالتی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں جو کسی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ممکن ہے جنرل نصیر اللہ بابر اپنے ضمیر کو مطمئن محسوس کرتے ہوں کہ بے ضمیروں اور مردہ ضمیر کے حامل لوگوں نے اس جنگل میں سب کچھ جائز ہے لیکن قرآن کریم نے جس دن کو بار بار قیامت کا دن قرار دیا ہے (یوم التغابن) اس دن اللہ تعالیٰ ضمیر کو قوت گویائی عطا

(باقی صفحہ ۲۲ پر)